موضوع مقالہ: نبی کریم ﷺ کا طریقہ انقلاب ڈاکٹر اسرار احمد کے افکار کی روشنی میں

The Prophetic Methodology of Revolution: in the Light of the Thoughts of Dr Israr Ahmad

Dr. Syed Zakir Shah[1]
Prof. Dr. Summer Sultana[2]
Syed Asim Ali[3]

ABSTRACT

The political thoughts of Dr Israr Ahmed in the light of Islamic Political Philosophy are being presented in this article . Dr. Israr Ahmed holds a prominent position among the religious scholars of the modern times. Tanzeem e Islami, founded by Dr Israr Ahmed, due to its Ideological Thinking and Effective Organization, has a peculiar position among the religious parties of the country. He is a strong advocate of Caliphate. He considers vigorous efforts and hard work compulsory for the establishment of *Hakumat e Elahiya* (Rule of Allah).The prominent quality of Dr Israr Ahmed's political thinking is that he prefers to replace modern Democratic form of government to Islamic system of Caliphate through peaceful opposition. However, the thing which makes him distinguished from other opponents (militants) of modern Democratic form of government is his peaceful movement against Democracy. Politics is an important pillar of Islamic Ideology and philosophy. In this regard, all the Muslim political philosophers and thinkers, according to their times and place of living, presented their theories but these theories belong to the time when Islam was dominant, whereas, it is the quality of Dr Israr Ahmed's vision that his theory deals with revival of Islamic system of Caliphate after its down fall and for this he gives his theory of peaceful transition of Islamic system of Caliphate.It is necessary to cast a glance that what is the significance of Dr. Israr Ahmed's peaceful Movement in the Muslim thinking and philosophy because it is gaining popularity in literate stratum of the society and may have far reaching consequences in politics in coming days.

Keywords: Caliphate, Islamic system, Quran, Iqbal, Shah Waliullah

[1] Lecturer, Government National College no. 1 Karachi
[2] Political Science Department,University of Karachi
[3] Bibi Asifa Government College

نبی کریم ﷺ کا طریقہ انقلاب ڈاکٹر اسرار احمد کے افکار کی روشنی میں تجزیاتی مطالعہ۔

اسلامی سیاسی فکر و فلسفہ کے تناظر میں ڈاکٹر اسرار احمد کے سیاسی افکار کا مطالعہ کیا جائے جو عہد حاضر کے ایک عظیم مذہبی اسکالر اور سیاسی مفکّر تھے۔ چنانچہ ڈاکٹر اسرار احمد کی دینی خدمات کے اعتراف کے ضمن میں مختلف جامعات کی طرف سے ایسا تحقیقی کام سامنے آچکا ہے، جن کا موضوع بحث ڈاکٹر اسرار احمد کی شخصیت اور ان کی دینی خدمات ہیں۔ مندرجہ بالا موضوع پر جامعہ لاہور کی ایک ایم۔ ایس اسلامک اسٹڈیز کی طالبہ، رافعۃ الجبین نے ایک تحقیقی مقالہ تحریر کیا ہے، جس میں مقالہ نگار، ڈاکٹر اسرار احمد کی تحریکی زندگی کے مختلف پہلوؤں کو زیرِ بحث لائی ہیں۔ اس مقالہ کو انجمن خدام القران لاہور نے کتابی شکل میں شائع کروادیا ہے۔ شعبہ علومِ اسلامیہ جامعہ پنجاب کی طرف سے غلام حیدر نے ایک مقالہ لکھا ہے، جس کا عنوان ہے "خلافت کی حقیقت اور ڈاکٹر اسرار احمد کے نظریہ ء خلافت کا جائزہ" جس میں امتِ مسلمہ کی موجودہ حالتِ زار کا تذکرہ موجود ہے، اور اس حوالے سے احیائی کام کے سلسلے میں ڈاکٹر اسرار احمد کے نظریہ خلافت کو زیرِ بحث لائے ہیں۔ انسٹیٹیوٹ آف مک گل یونیورسٹی کینیڈا کی جانب سے ایم۔ اے کی سطح کا کام سامنے آیا ہے، جس میں ڈاکٹر اسرار احمد کی شخصیت و خدماتِ دین کے حوالے سے بحث کی گئی ہے۔ انجمن خدام القرآن سندھ کی طرف سے ڈاکٹر اسرار احمد پر ایک کتاب یکجا کی گئی ہے، جس کا عنوان ہے "ڈاکٹر اسرار احمد اور تنظیمِ اسلامی ایک تعارف" کو انجمن خدام القرآن سندھ کراچی نے شائع کر دیا ہے۔ یہ ایک تالیف ہے جس میں ڈاکٹر اسرار احمد کی تحروں کو جمع کر دیا گیا ہے نیز اس کتاب میں حافظ انجینیر نوید احمد مرحوم کا مضمون "ڈاکٹر اسرار احمد حالاتِ زندگی اور دینی خدمات" کو بھی شامل کیا گیا ہے۔ اس کتاب میں ڈاکٹر اسرار احمد کی زندگی کے مختلف گوشوں پر تفصیلی روشنی ڈالی گئی ہے۔ تاہم مذکورہ بالا تحقیقی کام میں ڈاکٹر اسرار احمد کی شخصیت اور ان کی دینی خدمات کو زیادہ نمایاں کیا گیا، اور ان کے سیاسی افکار، نظریہ ء خلافت اور ان کی قائم کردہ 'تنظیمِ اسلامی 'کا انقلابی طریقہ ء کار پر زیادہ توجہ نہیں مبذول کی گئی حالانکہ مذکورہ بالا موضوع اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ اس پر بھی سیر حاصل بحث کی جائے نیز ڈاکٹر اسرار احمد منہجِ انقلابِ نبوی ﷺ کے توسط سے فلسفہ ء انقلاب کی بات کرتے ہیں، اور موجودہ دور میں اس کے انطباق کا طریقہ ء کار بھی بتاتے ہیں، اس پر بھی تحقیقی کام کی ضرورت ہے۔ نیز اس بات کی بھی شدید کمی محسوس کی جاتی رہی کہ ڈاکٹر اسرار احمد مزید تحقیقی کام سامنے آئے جس میں دور حاضر کے مسلم سیاسی افکار کے تناظر میں ڈاکٹر اسرار احمد کے سیاسی افکار کا ایک مفصل مطالعہ کیا جائے۔ جس میں مسلم سیاسی فکر کی ماہیت، اسکی تجدید عہد اور بعد کے ادوار کے احوال و کوائف میں بہت فرق و تفاوت پیدا ہو چکا ہے اور ظاہر ہے کہ احوال و ظروف کا اثر مسلم مفکرین کے افکار میں جھلکتا ہے۔ اس سلسلے میں ایک بات اچھی طرح سمجھنے کی ضرورت ہے کہ خلافتِ راشدہ کے بعد دینی اعتبار سے امتِ مسلمہ روبہ زوال ہونا شروع ہوگئی۔ بنو امیہ کے تقریبا نوے برس کے دورِ حکومت میں رفتہ رفتہ خلافتِ راشدہ کی خصوصیات ختم ہونا شروع ہوئیں۔ بنو امیہ کے بعد بنو عباس کی حکمرانی کا دور شروع ہوا۔ اس دور میں ملوکیت اپنے جوبن پر پہنچ گئی۔ اگرچہ دینی اعتبار سے امت مسلمہ روبہ زوال تو تھی لیکن تہذیب و تمدن اور سیاسی بالادستی، اور علمی و فنی اعتبار سے مسلمانوں نے ایک ہزار سال تک دنیا کی امامت کی۔ دونوں باتیں اپنی جگہ درست ہیں۔ اسلام گر رہا تھا' مگر مسلمان نہیں گر رہا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے جس بلندی پر امتِ مسلمہ کو پہنچایا' وہاں سے گرتے گرتے بھی دنیاوی اعتبار سے غلبہ مسلمانوں کے پاس ہی رہا۔ عالم اسلام جس وقت علوم و فنون کی معراج کو جا پہنچا تھا' یورپ عالم جہالت میں ڈوبا ہوا تھا۔ جسے تاریخ میں Dark Ages سے جانا جاتا ہے اس وقت یورپ میں سائنس و فلسفہ پڑھنے کی اجازت نہیں تھی۔ حال یہ تھا کہ اگر کسی کے گھر سے کوئی فلسفہ یا سائنس کی کتاب برآمد ہو جاتی تو اسے مار دیا جاتا۔ الغرض ایک ہزار سال تک مسلمانوں کو ہر اعتبار سے غلبہ اور شان و شوکت حاصل رہی۔

اگر ایک جانب مسلمانوں کے اقتدار کا خاتمہ ہوا، تو دوسری طرف مسلمانوں کا اقتدار قائم ہوا۔ اگر ہسپانیہ سے مسلمانوں کو بے دخل کیا گیا' تو مشرق کی طرف سے ترک اسلام کے پھریرے لے کر یورپ میں داخل ہو گئے۔ مسلمانوں کی یہ حالت کم و بیش ایک ہزار برس تک قائم رہی۔ اس کے بعد کیا ہوا؟ جس کی وجہ سے مسلمانوں پر دیگر اقوامِ عالم نے ہر طرح سے غلبہ حاصل کر لیا۔ اس کا جواب ہے کہ مسلمان غفلت کی نیند سو گئے حالانکہ یورپ والے مسلمانوں کی قائم کی گئی جامعات سے پڑھ کر بیدار ہوئے۔ اہل یورپ کو علم و ہنر سائنس و فلسفہ اور منطق مسلمانوں نے سکھلائے۔ آج کے مسلمان طلبہ جس طرح یورپ و امریکہ اعلیٰ تعلیم کے حصول لئے جاتے ہیں، بالکل ہی اسی طرح ان کے طلبہ اٹلی و فرانس اور جرمنی سے غرناطہ اور قرطبہ کی جامعات میں پڑھنے آتے تھے۔ اس کے بعد کا علمی و تہذیبی ارتقاء اہلِ یورپ و امریکہ کا مرہونِ منت ہے۔ اس معاملے میں بھی اہل یورپ نے ترقی کی منازل طے کیں۔ انہوں نے ریاست کی پوری مشینری کو واضح طور پر ترتیب دیا۔ انہوں نے ہی یہ اصول بتایا کہ حکومت کے تین اجزاء ہیں۔ مقننہ، انتظامیہ، اور عدلیہ۔ اور یہ کہ ریاست و حکومت الگ الگ ادارے ہیں۔ حکومت کے خلاف احتجاج کیا جاسکتا ہے لیکن ریاست کے خلاف نہیں۔ بدلتے ہوئے ان حالات کو مدِ نظر رکھتے ہوئے ڈاکٹر اسرار احمد نے پاکستان میں اسلامی انقلاب کے لئے پر امن احتجاجی سیاست کا منہج دیا ہے۔

عہد حاضر میں مسلم سیاسی فکر کا اجمالی جائزہ اور ڈاکٹر اسرار احمد کا سیاسی اجتہاد۔

تاریخِ اسلام کا کوئی عہد تجدیدی کام سے خالی نہیں رہا۔ یہ بات بھی ذہن نشین رہنی چاہیے کہ بیسویں صدی عیسویں سے پہلے تجدیدی کام کی نوعیّت دینِ اسلام کی حفاظت و مدافعت کی تھی نہ کہ احیاءِ دین کی! کیونکہ اس وقت تک اسلام کی عمارت ابھی قائم تھی، یہی وجہ ہے کہ امام الہند شاہ ولی اللہؒ کے زمانے تک کے مجددِ دینِ امت کی دینی جدّ وجہد علم و فکر کی دنیا تک ہی رہی اور عقائد کی تصحیح واصلاح اعمال کو ان کے اصل نصب العین کی حیثیت حاصل رہی لیکن بیسویں صدّی کے آغاز میں امتِ مسلمہ کی شان و شوکت کا بوسیدہ قصر زمین بوس ہو گیا۔ اس لئے اب احیائی عمل فطری طور پر پوری شان کے ساتھ شروع ہوا۔

یہ ایک نا قابل انکار حقیقت ہے کہ بر صغیر پاک و ہند میں علامہ محمد اقبال نے اسلام کے انقلابی واحیائی فکر کی تجدید کی۔ اسلامی انقلاب کے طریقہ ء کار کی واضح طور پر نشاندہی کی۔ اسلامیانِ ہند کے جدید تعلیم یافتہ نوجوان نسل کو جذبہ ء عمل پر ابھارہ۔ لیکن علامہ محمد اقبالؒ نے کسی انقلابی واحیائی جماعت کی تشکیل نہیں کی۔ علامہ محمد اقبال اور شاہ ولی اللہ میں اس سلسلے میں یک گونہ مشابہت پائی جاتی ہے۔ شاہ ولی اللہؒ اپنی زندگی کے آخری وقت تک ایک معلم و مصنف ہی رہے لیکن ایک طرف ہندستان کے مسلمانوں کی خستہ حال حکومت کو زمیں بوس ہونے سے بچانے کے لئے افغانستان سے احمد شاہ ابدالی کو بلایا، جس نے پانی پت کے میدان میں مرہٹہ کو شکستِ فاش سے دوچار کیا۔ تو دوسری طرف ہندستان میں ایسی فضا پیدا کر دی جہان صحیح علم و عمل پروان چڑھا۔ جس کے نتیجے میں سید احمد بریلویؒ کی امارت اور شاہ اسمٰعیل کی معاونت سے تحریکِ مجاہدین جیسی عظیم تحریک برپا ہوئی۔ بالکل اسی طرح علامہ اقبال نے بھی ایک جانب اسلامیانِ ہندستان کی قومی جدوجہد کی تحریک کی قیادت کے لئے قائد اعظم محمد علی جناح کو انگلستان سے آنے پر آمادہ کیا۔ دوسری جانب یہ ان ہی کی تجدیدِ فکر اسلامی تھی، جس کی بدولت مولانا ابو لکلام آزاد نے 'حکومت الٰہیہ' کا نعرہ بلند کیا اور اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے حزب اللہ قائم کی۔ بعد ازاں مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی نے اس مقصد کو پانے کے لئے جماعتِ اسلامی بنائی۔[i]

شاہ ولی اللہؒ۔

اٹھارویں صدی کے اوائل کے حالات ہندستان کے مسلمانوں کے لئے انتہائی دگرگوں تھے۔ مسلمان سیاسی اور معاشی خطرات میں گھرے ہوئے تھے۔ اورنگزیب عالمگیر کی وفات کے بعد مغلیہ سلطنت رو بہ زوال ہو چکی تھی۔ نااہل حکمرانوں اور بے وفا وزراء مغل حکومت کی جڑیں کھوکھلی کر رہے تھے۔ شاہ ولی اللہؒ پردہء شہود پر آتے ہیں، اور ایک مصلح اور مجدد کا کردار ادا کرتے ہیں۔ شاہ ولی اللہؒ مسلمانوں کے باہمی اختلافات کا خاتمہ کر دیتے ہیں، اسلامی علوم و فنون کو عوام کے لئے آسان بنا دیتے ہیں، مسلمانوں کا جمود ختم کر دیتے ہیں اور اسلام کی روح امتِ مسلمہ میں پھونک دیتے ہیں۔

شاہ ولی اللہ صاحب کے تجدیدی کام۔

ابوالحسن علی ندوی اپنی کتاب تاریخ دعوت و عزیمت حصہ پنجم کے باب پنجم شاہ ولی اللہ صاحب کے تجدیدی کارنامے کے تحت لکھتے ہیں کہ شاہ ولی اللہ کو اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کی تجدید اور اپنے عہد کے افکار و عمل میں ایک نئی زندگی پیدا کرنے کی توفیق بخشی۔ ان کے اس تجدیدی کام کی وسعت میں بہت تنوع پایا جاتا ہے۔ انہوں نے علم و عمل کے بہت سے میدانوں میں تجدیدی واصلاحی کارہائے نمایاں سرانجام دیے کہ ان کے سوانح گاروں نے جب ان پر قلم اٹھایا کہ ان کی سوانح حیات لکھیں، ان کے لئے یہ مشکل پیش آئی کہ ان کا تفصیلی جائزہ کیسے پیش کیا جائے؟ لیکن ابوالحسن علی ندوی نے شاہ ولی اللہ کی دینی خدمات کو مندرجہ ذیل عنوانات کے تحت تقسیم کیا ہے۔

1۔ اصلاحِ عقائد و دعوت الی القرآن۔

2۔ حدیث و سنت کی اشاعت اور فقہ کی تطبیق کی سعی۔

3۔ شریعتِ اسلامی کی مربوط ترجمانی اور مقاصدِ حدیث و سنت کی تشریح۔

4۔اسلام میں خلافت کے منصب کی تشریح، خلافتِ راشدہ کے خصائص اور اس کا اثبات۔

5۔سیاسی انتشار اور حکومت مغلیہ کے دور میں شاہ ولی اللہ کا مجاہدانہ کردار

6۔امت کے مختلف طبقات کا احتساب اور ان کو دعوتِ اصلاح۔

7۔علمائے راسخین کی تعلیم وتربیت کی جنہوں نے ان کے بعد اصلاح، امت اور اشاعتِ دین کا کام جاری رکھا۔

شاہ ولی اللہؒ نے اپنی کتاب 'البدور البازغہ' میں مملکت کو مدینہ کی اصطلاح سے تعبیر کیا۔انہوں نے سلطان اور اہم عہد ارانِ مملکت کے فرائض وذمہ داریاں تفصیل سے بیان کیں۔وہ حکومت کے لئے شوریٰ کو اہم قرار دیتے تھے۔انہوں نے ایک کامل انسانی معاشرے کے لئے، طہارت، اخلاقِ فاضلہ اور عدالت کی صفات کو لازمی قرار دیا۔انہوں نے حکومت کو خلافتِ ظاہرہ اور حکومت منتخب کرنے والی قوت کو خلافتِ باطنہ قرار دیا۔ان کے معاشی نظریات کے مطابق معاشرے میں دولت کی تقسیم منصفانہ ہو، وہ سمجھتے تھے کہ بدعنوانی، اور عوام پر بے جا محصول لاگوں کرنا، حکومت کے زوال کا سبب بن جاتا ہے۔

برِصغیر پاک وہند میں تجدید واحیائے دین کی ایک اہم کڑی شاہ ولی اللہ دہلوی تھے۔انہوں نے پہلی بار فارسی زبان میں قرآنِ پاک کا ترجمہ کیا۔انہوں نہ صرف قرانِ پاک کا ترجمہ کیا بلکہ احادیث کی اشاعت وترویج کے لئے بہت کام کیا۔ان کی سیاسی خدمات بھی قابل ذکر ہیں۔انہوں نے والئی افغانستان احمد شاہ ابدالی کو امادہ کیا کہ وہ مرہٹوں کی بڑھتی ہوئی طاقت کو روکیں۔ان کی پھیلائی گئی روشنی میں ان کے پوتے شاہ اسمٰعیل شہید اور سید احمد شہید نے تحریکِ جہاد برپا کی۔انہوں نے ہندستان کے شمال مغربی علاقے میں ایک مکمل اسلامی حکومت قائم کرنے کی کوشش کی۔اس تحریک میں ان دونوں نے اپنے ساتھیوں کے ساتھ بالاکوٹ کے مقام پر شہادت پائی۔تحریکِ مجاہدین کو تحریکِ شہیدین بھی کہا جاتا ہے۔انکا مقصد تھا کہ پہلے ریاستِ مدینہ کی طرز پر ایک اسلامی ریاست کا قیام عمل میں لایا جائے، پھر اس کو پورے ہندستان تک پھیلا دیا جائے۔اس مقصد کے حصول کے لئے انہوں نے شمال مغربی سرحدی علاقہ منتخب کیا کیونکہ پنجاب میں سکھ قابض تھے، اور باقی ہندستان میں انگریز قابض تھے۔شمال مغربی سرحدی علاقہ اس مقصد کے لئے موزون ترین تھا۔نیز افغانستان سے اسلامی اخوت کے ناتے یہ گمان بھی تھا کہ وہاں سے امداد بھی آئے گی۔لیکن نہ تو افغانیوں کو خالص اسلامی ریاست کا قیام گوارا تھا اور نہ ہی وہاں کے مقامی لوگوں کو۔اس طرح یہ تحریک سکھوں اور انگریزوں کی سازش اور مسلمانوں کی بے وفائی کی بھینٹ چڑھ گئی۔بالاکوٹ کے فیصلہ کن معرکہ میں سنہ 1931ء میں یہ تحریک بالآخر ناکامی سے دوچار ہوگئی۔لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ اس تحریک کے باقیات نے انگریزی حکومت کو کافی مشکل وقت دیا۔تاآنکہ تحریکِ پاکستان شروع ہوئی، اور برصغیر کے مسلمانوں کو پاکستان کی صورت میں انگریزوں اور ہندؤں کی دوہری غلامی سے نجات ملی۔[ii]

تحریکِ پاکستان کی اصل اساس ڈاکٹر اسرار احمد کی نظر میں۔

ڈاکٹر اسرار احمد اپنی کتاب اسلام اور پاکستان تاریخی، سیاسی علمی اور ثقافتی پس منظر باب اوّل صفحہ ءنمبر 7 میں رقم طراز ہیں "اگر کوئی یہ کہے کہ۔۔۔۔پاکستان اسلام کے نام پر حاصل کیا گیا تھا۔۔۔۔تو پورے ملک میں شاید کوئی ایک شخص بھی ایسا نہ نکل سکے جو اس کی تردید کرے!۔۔۔۔لیکن اگر سوال یہ ہو کہ تحریکِ پاکستان کا اصل محرک مذہبی ودینی تھا۔۔۔۔۔یا معاشی ومعاشرتی؟۔۔۔۔تو اس کے جواب میں اختلاف کی بڑی گنجائش ہے۔[iii] جناب سید حسین شہید سہروردی کی رائے اس بارے میں یہ تھی کہ پاکستان خالص معاشی اسباب کی بناپر قائم ہوا ہے۔اس طرح کی رائے کا اظہار جناب نورالامین نے بھی کیا۔یہ دونوں حضرات تو اب اس دینا میں نہیں لیکن ان کی رائے سے ملتی جلتی آراء سامنے آتی رہتی ہیں، معاشی اسباب کے ساتھ ساتھ سیاسی اسباب کے الفاظ کے اضافے کے ساتھ۔ممتاز محمد خان دولتانہ نے یہ رائے ظاہر کی یہ تحریکِ پاکستان مسلمانوں کی سیاسی تحریک تھی ، یہ مذہبی تحریک نہیں تھی۔اس کے علاوہ جناب سردار شوکت حیات نے کہا کہ پاکستان کا مطلب کیا؟ لاالٰہ اللہ، کا نعرہ غیر سنجیدہ چند چھوکروں کی ایجاد تھا، یہ کوئی سوچی سمجھی بات نہ تھی۔مذکورہ بالا آراء کسی کو غلط نظر آئے یا صحیح، یہ ایک ناقابل انکار حقیت ہے کہ ان آراء کا اظہار ان لوگوں کی جابب سے ہوا، جو تحریکِ پاکستان کے کارکن تھے اور قائدا عظم محمد علی جناح کے نوجوان ساتھیوں میں ان کا شمار ہوتا ہے۔اسی سبب پاکستان کی نئی نسل شدید ذہنی وفکری انتشار میں مبتلہ ہے ان کو نہ اپنے قومی تشخص کا شعور حاصل ہے نہ ہی کسی مقصد یا منزل کا سراغ۔اس بات کی شدید ضرورت ہے کہ پوری سنجیدگی کے ساتھ حقیقت پسندانہ انداز میں غور کیا جائے کہ قیامِ پاکستان کے اصل محرکات کیا تھے۔[iv]

ڈاکٹر اسرار احمد کہتے ہیں کہ تحریکِ پاکستان کی تین الگ الگ سطح ہیں۔اس کی مثال ایسے ہی ہے جیسے زمین پر پانی کی تین مختلف سطح موجود ہیں۔ان میں پہلی سطح زمین وہ ہے جہاں پانی زمین پر دریاوں اور ندی نالوں کی صورت میں بہہ رہا ہے۔یہ پانی ظاہر و باہر سب کی نظروں کے سامنے ہے۔پانی کی دوسری سطح زیرِ زمین کنوں کی صورت میں ہے۔اس طرح کے پانی کے سوتے زیر زمین تیس چالیس تا ستر فٹ کی گہرائی پر واقع ہوتے ہیں۔پانی کی تیسری سطح زمین سے کئی سو فٹ نیچے واقع ہوتی ہے۔جہاں سے ٹیوب ویلوں کے ذریعے پانی نکالا جاتا ہے۔یہ تمثیل اس لئے بیان کی گئی ہے کہ پاکستان کی تکوین کے محرکات کو بھی اسی طرح تین جدا جدا سطحوں پر سمجھا جا سکتا ہے۔[v]

ڈاکٹر اسرار احمد کہتے ہیں اس کی پہلی سطح یہ ہے کہ پاکستان اسلام کے نام پر قائم ہوا تھا۔یہ ایک ایسی حقیقت ہے جس سے انکار ممکن نہیں۔پورے برصغیر کے مسلمانوں کو از درہء خیبر تا راس کماری اور از مکران تا چٹاگانگ مسلم لیگ کے جھنڈے کے نیچے اکٹھے کرنے والا نعرہ لا الہ اللہ ہی تھا۔اور یہ بات کہ یہ نعرہ چند چھوکروں کی ایجاد تھا یا یہ بزرگوں کی ایجاد تھا۔اس سے ہر گز کوئی فرق نہیں پڑتا۔بات صرف ایک نعرہ کی نہیں ہے۔پاکستان کے بانی اور تحریکِ پاکستان کے قائد نے اپنے بیانات میں واضح اور غیر مبہم الفاظ میں اس حقیقت کا اظہار کیا ہے۔قائدِ اعظم محمد علی جناح نے مذہب کو مسلمانوں کی قومیت کی اساس، پاکستان کی منزل کو اسلام، اور قرآن کو پاکستان کا دستور قرار دیا۔قیامِ پاکستان کا مقصد یہ قرار دیا کہ ہم پاکستان کے ذریعے موجودہ دور میں اسلام کے اصولِ حریت، مساوات، اور اخوت کی جدید تفسیر اور عملی نمونہ دنیا کو دکھانہ چاہتے ہیں۔ان اعلانات و بیانات کے بغیر نہ مسلم لیگ مسلمانوں کی نمائندہ جماعت بن سکتی تھی اور نہ ہی برصغیر کے طول و عرض میں بسنے والے مسلمان مسلم لیگ کے جھنڈے تلے جمع ہوتے۔یہ حقیقت اتنی ظاہر و باہر ہے او ردریاؤں اور ندی کے پانی کی مثل عیاں اور واضح ہے کہ اس پر مزید بحث کرنا قلم و قرطاس کا ضیاع موگا۔[vi]

بقولِ ڈاکٹر اسرار احمد تحریکِ پاکستان کی دوسری سطح جس کا صحیح تعین ایک سوال کی صورت میں کیا جا سکتا ہے۔سوال یہ ہے کہ "تحریکِ پاکستان کا اصل جذبہ ء محرکہ کیا تھا" یہ سوال بہت اہم ہے اور اس کا جواب دینا آسان نہیں۔اس سوال کا ایک منفی جواب ہے جس پر اختلاف کی گنجائش بہت کم، لیکن تحریکِ پاکستان کے اصل محرک کی مثبت تعین کرنا مشکل ہے۔ڈاکٹر اسرار احمد کہتے ہیں کہ بہت سارے لوگ اس بات پر حیران ہو جائیں گے کہ میں بھی ان لوگوں کی رائے کو درست سمجھتا ہوں جن کے نزدیک تحریک پاکستان کا اصل جذبہ ء محرکہ مذہبی نہیں تھا۔اس کا ثبوت یہ ہے کہ تحریک پاکستان کی اصل قیادت اعلیٰ مذہبی لوگوں پر مشتمل نہیں تھی۔اس لحاظ سے دیکھا جائے تو یہ اعتراض نہیں کیا جا سکتا کہ تحریکِ پاکستان کی اصل قیادت مذہبی لوگوں پر مشتمل تھی۔تحریکِ پاکستان میں علماء و مشائخ میں سے جنہوں نے قائدِ اعظم کا ساتھ دیا ان کا مقام تحریکِ پاکستان کی قیادت کے ضمن میں صفِ اول نہیں بلکہ صفِ دوم کے درجے میں تھا۔زیر بحث سوال کے اس منفی جواب کے بعد اس کا مثبت جواب کیا ہے؟ ڈاکٹر اسرار احمد کہتے ہیں "ہمارے نزدیک اس ضمن میں پوری حقیقت کی جامع تعبیر نہ معاشی کے لفظ سے ہو سکتی ہے نہ سیاسی سے بلکہ اس کی صحیح اور جامع تعبیر کے لئے موزوں ےترین لفظ وہی ہے جو پیر سید جماعت علی شاہؒ نے استعمال کیا یعنی قومی "تحریک پاکستان در حقیقت ایک قومی تحریک تھی۔اس کا جذبہ ء محرکہ مسلمانوں کا یہ خوف تھا کہ ہندو جو کہ ان سے کئی گناہ بڑی قوم تھی مسلمانوں کے ساتھ انصاف نہیں کرے گی، اور سیاسی لحاظ سے اسے محکوم بنا لے گی۔معاشی لحاظ سے ان کا استحصال کرے گیاور معاشرتی لحاظ سے ان کی شناخت کو ختم کرنے کی کوشش کرے گی۔مسلمانوں کا یہ خوف کوئی وہمی یا خیالی نہیں بلکہ حقیقی اور واقعئی تھا۔اس بات کا احساس ہندستان کے ہر مسلمان کو تھا۔اس لئے تحریکِ پاکستان نے جنگل میں لگی آگ کی طرح مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔مسلمانانِ ہند اپنے جداگانہ تشخص اور اپنے سیاسی اور معاشی حقوق کی حفاظت کے لئے مسلم لیگ کے جھنڈے کے نیچے متحد ہوئے اور یہ نعرہ بلند ہوا مسلم ہے تو مسلم لیگ میں آ۔ڈاکٹر اسرار احمد کہتے ہیں کہ "تحریکِ پاکستان کا اصل جذبہ محرکہ نہ مذہبی تھا نہ محدود معنی میں معاشی یا سیاسی بلکہ وہ ایک قومی جذبہ تھا جس نے جملہ تہذیبی و ثقافتی، سماجی و معاشرتی اور معاشی و سیاسی محرکات کو اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا" اس بات کی تیسری اور سب سے نچلی سطح کا تعین اس سوال سے ہو جاتا ہے کہ مسلمان قوم کی قومیت کی بنیاد کیا تھی؟ اس کا جواب تلاش کرتے کرتے ہم وہیں پہنچ جاتے ہیں جہاں سے اس بات کو شروع کیا ہے۔یہ کہ برصغیر کے مسلمان نہ کسی نسل کی بنیاد پر ایک قوم تھے نہ زبان کی بنیاد پر بلکہ صرف مذہب کی بنیاد پر وہ ایک قوم بنے اور مسلمانوں کو جمع کرنے کے لئے یہ نعرہ بلند ہوا کہ پاکستان کا مطلب کیا لا الٰہ الا اللہ۔[vii]

علامہ محمد اقبال۔

عہدِ حاضر میں اسلام کی انقلابی فکر کی تجدید میں سب سے اہم کردار علامہ محمد اقبال کا ہے۔ مسلمانوں نے دینِ اسلام کو محض مذہب سمجھ لیا تھا،اور یہ بات بھول گئے تھے کہ اسلام صرف چند مذہبی رسومات ادا کر لینے کا نام نہیں، بلکہ یہ ایک مکمل نظامِ حیات ہے، ہے جو کہ اپنا غلبہ چاہتا ہے۔اور مغربی اقوام کی غلامی نے مسلمانوں کو پست ہمت اور کوتاہ نظر بنادیا تھا۔ تکبیر ربّ، جیسے انقلابی تصوّر کو مسلمانوں نے صرف تسبیح و تحمید تک محدود کر دیا تھا۔ علامہ اقبال نے بڑے پر اثر انداز سے دین و مذہب کے اس فرق و تفاوت کو واضح کیا۔

تین اعتبارت سے علامہ اقبال ہمارے محسن ہیں۔ایک یہ کہ سرزمینِ پاکستان جس میں ہم ایک آزاد اور خود مختیار قوم کی حیثیت سے رہ رہے ہیں،اس کا قیام علامہ اقبال کے تصوّر پاکستان کا رہینِ منت ہے۔دوم یہ کہ وہ عالمی ملتِ اسلامی اور امتِ مسلمہ کی عظمتِ رفتہ کا سب سے بڑا حدی خواں ہے، سوم یہ کہ دینِ اسلام کے احیاء اور اس کی نشاۃِثانیہ کے عظیم داعی کی حیثیت بھی اقبال کو حاصل ہے۔ علامہ اقبالؒ نے اسلام کی انقلابی فکر کی تجدید کی لیکن خود عملی طور پر کسی تحریک کا آغاز نہیں کیا۔ مگر واقعہ یہ ہے کہ شاہ ولی اللہؒ نے جس طرح اپنی مساعی کو صرف قلم و قرطاس تک محدود رکھا، لیکن بعد میں یہی فکر سید احمد شہید اور شاہ اسمٰعیل شہید کی تحریکِ جہاد کا سبب بنی۔اسی طرح بیسویں صدی عیسویں کی ساری احیائی تحریکیں بھی فکرِ اقبال کی ہی مرہونِ منت ہیں۔ علامہ اقبال نے مغرب کی علمی اور سائنسی ترقی کو قران کا ظہور قرار دیا۔اسی طرح عوام کے سیاسی اور معاشی حقوق کے تصور کو رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات سے مستعار اور ماخوز قرار دیا۔اسلام کے علمِ کلام کو افلاطونی سیاسی تصورات کی وادیوں سے نکالا۔ارسطو کی منطق کے چنگل سے بھی آزادی دلائی۔اور جدید تجرباتی علوم کی اساس پر اسے استوار کرنے کے ساتھ ساتھ مغربی عمرانی نظریات اور سیاسی تصورات پر زبردست تنقید کی۔دوسری جانب اسلام کے صحیح انقلابی فکر کی پوری شان کے ساتھ تجدید کی۔اللہ اور رسول اللہ ﷺ کے دیے گئے دینِ اسلام اور اس کا نظامِ عدل اجتمائی کو دورِ جدید کی اعلی ترین فکری سطح پر ہم اہنگ کر کے پیش کیا۔ مغربی افکار، سیکولرزم اور نیشنلزم و وطنی قومیت علامہ اقبال کی تنقید سے بچ نہ سکے۔ علامہ اقبال کے نزدیک دین اور سیاست کی علیحدگی اس دور کا سب سے بڑا فتنہ ہے۔ نیز انسانی حاکمیت کا نظریہ علامہ اقبال کے نزدیک کفر اور شرک ہے۔چاہے وہ شخصی حاکمیت کا نظریہ ہو یا قومی اور عوامی حاکمیت کا۔

علامہ محمد اقبال سمجھتے تھے کہ دیارِ مغرب میں احیاءالعلوم اور اصلاحِ مذہب کی تحریکوں کی بدولت بنی آدم میں ایک طرح کا شعورِ خود نگری،اور خود شناسی پیدا ہوا، وہ اپنی اصل کے لحاظ سے تو صحیح تھا لیکن اس کو ابلیس اور اس کے چیلوں نے عوامی حاکمیت کا لباس پہنا کر شیطانیت کا سب سے بڑا ابلیسی نمائندے کا کردار دیا۔اسی طرح علامہ محمد اقبالؒ نے وطنی قومیت پر جو نظم رقم کی ہے، وہ وطنی قومیت کی بیخ کنی کے لئے کافی ہے۔ جس کی بدولت ان کو بجا طور پر مغربی تمدن کے سب سے بڑے بت کو توڑنے والا اور قومیتِ اسلام کے مجدد اعظم قرار پانے کے مستحق ہیں۔

علامہ محمد اقبال نے 1936ء میں ابلیس کی مجلسِ شوریٰ کہی جس میں امتِ مسلمہ کے نام پیغام، ان کی طرف سے پیامِ آخریں کی حیثیت رکھتا ہے۔اس میں علامہ اقبالؒ کہتے ہیں کہ ابلیس اور اس کی ذریعت کو اگر کوئی خطرہ ہے تو وہ اسلام سے ہے، نہ کہ جمہوریت سے۔ اور نہ ہی اشتراکیت سے، کیوں کہ مغرب کی نانہاد جمہوریت تو دراصل ملوکیت کا ایک پردہ ہے، جس کا چہرہ تو بظاہر روشن ہے لیکن باطن اس کا وہی ہے، جو کہ چنگیز خان کا تھا۔اسی طرح اشتراکیت بھی بنی نوع انسان کی پریشانیوں کو حل نہیں کر سکتی۔ مندرجہ بالا اور مندرج ذیل شعر میں علامہ اقبال کے مطابق اسلام روئے ارضی پر اللہ کی حاکمیت اور مسلمانوں کی خلافت کے نظام کے خواہش مند تھے۔ viii

مولانا ابوالکلام آزاد۔

برِ صغیر پاک و ہند میں احیائے دین کی دعوت لے کر اٹھنے والے مفکّر مولانا ابو الاکلا آزاد نے اس صدی کے اوائل میں "الہلال" اور "البلاغ" کے رسائل جاری کئے۔ جس میں حکومتِ الٰہیہ کے قیام کی پر زور دعوت دی گئی۔ مولانا ابو الاکلام مرحوم کا طرز تحریر بھی نرالا تھا۔ان کے مخصوص طرزِ تحریر اور خطابت نے ان کی شہرت کو برِ صغیر کے طول و عرض میں پھیلا دیا تھا۔ان کی دعوت نے بے شمار مسلمانوں کے دلوں کو مسخر کیا۔انہوں نے اپنی کتاب قرآن کا قانونِ عروج و زوال میں امتِ مسلمہ کے عروج و زوال کی داستان رقم کی۔۔ لیکن کچھ اسباب کی بنا پر انہوں نے اس عظیم کام کو خیر باد کہہ دیا اور انڈین نیشنل کانگرس میں شمولیت اختیار کر لی۔ شیخ محمد اکرام اپنی کتاب موجِ کوثر صفحات نمبر 272-274۔ میں کہتے ہیں کہ نومبر 1914ء میں الہلال کی بندش کے بعد اس کی جگہ البلاغ نے لے لی۔ لیکن یہ بھی مارچ ،1916ء میں بند ہو گیا۔اس سال مولانا کو رانچی میں اسیر بنادیا گیا۔1920ء میں مولانا ابو لکلام کو رہائی ملی۔ یہ دور مسلمانوں کے لئے بہت ہی اہم تھا۔اس وقت تحریکِ خلافت اپنے عروج کو پہنچ چکی تھی۔ مولانا ابوالکلام آزاد اسلامی اتحاد کے پر جوش داعی تھے' اور خلافتِ عثمانیہ کے متحرک معاون تھے۔انہوں نے بھی جوہر برادرز کے ساتھ تحریکِ خلافت میں برابر کا حصہ لیا، انہوں نے مسلمانانِ ہند

کے لئے افغانستان ہجرت کرنے کا فتویٰ صادر کیا۔ جس پر مسلمانوں نے عمل کیا۔ لیکن 1924ء میں ترکوں نے خود خلافت سے دستبرداری کا اعلان کر دیا۔ اس کے نتیجے میں مسلمانانِ ہند کے ان راہنماؤں کو اپنی سیاسی پالیسی پر نظر ثانی کرنی پڑی، جنہوں نے جنگ طرابلس کے وقت سے اپنی سیاسی پالیسی کی اساس خلافتِ عثمانیہ کی بقا اور ترکی کی شدید محبت پر قائم کی تھی۔ تنسیخ خلافت ان کے لئے ایک صدمہ سے کسی طور کم نہ تھی۔ اب تحریکِ خلافت کے راہنماؤں نے اندرونِ ہند سیاسی دلچسپی لینا شروع کر دی۔ 1928ء میں نہرو رپوٹ شائع کی گئی۔ جس میں ملک کے مستقبل کے آئین کے بارے میں انڈین نیشنل کانگرس نے اپنا نکتہ ءنظر بتایا تھا۔ اس کی اشاعت نے مسلم قومی راہنماؤں کو دو طبقات میں تقسیم کر دیا۔ مولانا محمد علی جوہر، مولانا شوکت علی جوہر، مولانا ظفر علی خان، مسلم لیگ میں شامل ہوگئے۔ لیکن مولانا ابوالکلام آزاد انڈین نیشنل کانگرس میں شامل ہوگئے۔ اس کے بعد ان کی سیاسی زندگی کانگرس کی تاریخ کا ایک باب بن گئی۔ تحریکِ آزادی کے دور میں وہ کانگرس کے صدر رہے۔ ان کو تقسیم ہند سے کچھ قبل کانگرس کی طرف سے وزیرِ تعلیم مقرر کیا گیا، وہ اپنی وفات 1958ء تک اس عہدہ پر رہے۔ [ix]

سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ۔

سید ابوالاعلیٰ مودودی کے افکار گزشتہ اوراق میں اجمالی طور پر بیان کئے جا چکے ہیں۔ جس طرح مولانا ابوالکلام آزاد کی دعوت کی بازگشت پاک وہند کی فضا میں گونجتی رہی۔ اگرچہ وہ خود تو میدان چھوڑ چکے تھے۔ لگ بھگ دس سال بعد مولانا سیّد ابوالاعلیٰ مودودیؒ دعوت و تبلیغ کے میدان میں اترے اور 1941ء میں جماعتِ اسلامی کے نام سے ایک جماعت قائم کی۔ بقول ڈاکٹر اسرار احمد افسوس کہ جماعتِ اسلامی اس بلند و بالا مقصد پر زیادہ دیر قائم نہیں رہی۔ اور سیاست کے میدان پر خار میں پھنس کر اپنا موقف پست سے پست تر کرتی گئی۔ 1956-57ء میں جماعت کے اندر اس احساس نے زور پکڑا جس نے ایک بحران کی حیثیت اختیار کر لی۔ جس کے نتیجے میں ایک کثیر تعداد میں اکابرینِ جماعت نے جماعت سے خود کو الگ کر لیا۔ جن میں کچھ بقولِ ڈاکٹر اسرار اصاغر بھی تھے۔ ان اصاغر میں ڈاکٹر اسرار احمد بھی شامل تھے۔ [x]

احیائے اسلام کے لئے ڈاکٹر اسرار احمد کی اجتمائی جدوجہد کا آغاز۔

اقامتِ دین کہیں یا حکومتِ الٰہیہ کا قیام، مولانا ابوالکلام آزاد نے اس مقصد کے حصول کے لئے 'حزب اللہ' کے نام سے ایک اسلامی جماعت کی تشکیل کی پر زور دعوت دی۔ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی نے بھی اسی مقصد کو حاصل کرنے کے لئے جماعتِ اسلامی کی بنیاد رکھی۔ لیکن مولانا ابولکلام آزاد نے اس عظیم کام کو خیر باد کہہ کر انڈین نیشنل کانگرس میں شامل ہو گئے۔ مولانا ابولکلام آزاد کی شخصیت یقینی طور پر 'عبقری' تھی۔ اور عبقری انسان زیادہ عملی کردار کے حامل نہیں ہوتے۔ دوسری اہم بات یہ بھی تھی کہ بقول خود ان کے "ہم بیک وقت گلیمِ زہد اور ردائے رندی اوڑھنے کے جرم میں مرتکب ہیں"۔ چنانچہ مولانا آزاد کا احیائے اسلام کا ترک کیا ہوا کام مولانا سید ابوالاعلیٰ نے شروع کیا۔ لیکن بقول ڈکٹر اسرار احمد جماعت اسلامی اپنے بلند و بالا مؤقف پر زیادہ دیر قائم نہ رہ سکی، اور انقلابی جدوجہد کو سیاسی وانتخابی راہ پر ڈال دیا۔ ڈاکٹر اسرار احمد نے اپنے پیشرؤں کی طرح اقامتِ دین کے حصول کے لئے انقلابی جدوجہد کے لئے تیظیمِ اسلامی قائم کی۔ اور بطورِ کنوینز کے کام کرتے رہے۔ اگست 1977ء میں تنظیمِ اسلامی کے تیسرے سالانہ اجتماع میں ڈاکٹر اسرار احمد نے تنظیم اسلامی کی امارت سنبھال لی۔ اور اس کی اساس دستوری نظام جماعت کے برعکس بیعتِ سمع وطاعت پر قائم کی۔

تنظیم اسلامی کی فکر اور اس کے طریقہءکار کی خصوصیت۔

ڈاکٹر اسرار احمد کا دینی فرائض کے بارے میں تصوّر یہ ہے کہ ہر مسلمان اپنی انفرادی زندگی میں اللہ تعالی کی بندگی اختیار کرے۔ دوسروں کو بھی اللہ تعالی کی بندگی اختیار کرنے کی دعوت دیتا رہے، اور یہ کہ اللہ تعالی کے نازل کردہ دین کو نافذ کرنے کی جدوجہد کرتا رہے۔ یہاں تک کہ اللہ عز و جل کا دین قائم ہو جائے۔ غلبہءدینِ حق کے لئے مندرج ذیل اصطلاحات قرآن میں مذکور ہیں۔

تکبیرِ رب۔ تکبیر ربّ سے مراد ہے کہ اللہ تعالی کی بڑائی کو تسلیم کرانا۔ اور تشریعی احکام میں اس کے حکم کی تنفیذ کرنا۔ یہ اصطلاح سورۃ المدثّر میں وارد ہوئی ہے۔ تکبیرِ رب کا تقاضا یہ ہے کہ وہ نظام قائم کیا جائے کہ جس میں اللہ تعالی کی حاکمیّتِ اعلیٰ کو تسلیم کیا جائے۔

اقامتِ دین۔

اقامتِ دین کی اصطلاح سورۃالشوریٰ، آیت نمبر 13 میں آئی ہے۔ دین کو قائم کرو اور اس بارے میں تفرقے میں نہ پڑو۔ دین اگر پہلے سے قائم ہے، تو مسلمانوں کا فرض ہے کہ اسے قائم رکھیں، اور اگر یہ صورتِ حال نہ ہو تو پھر دین کو قائم کرنا اس کے ماننے والوں کی ذمہ داری ہے۔

یکون الدّین کلہٗ للہ۔

یہ اصطلاح قرآنِ پاک کی مّکی سورتوں، سورۃ البقرہ اور سورۃ الانفال میں آئی ہے۔ کہ ساری زندگی کے معاملات دینِ اسلام کے مطابق ڈھل جائیں۔ یہ نہ ہو کہ بعض احکامات پر عمل ہو اور بعض پر نہ ہو۔ اور یہ بھی نہ ہو کہ دینِ اسلام کو اجزاء میں تقسیم کر دیا جائے، مساجد میں نمازیں بھی ادا کی جا رہی ہوں، زکوٰۃ بھی با دل نہ خواستہ دے رہے ہوں لیکن ملک میں قائم نظامِ حکومت میں دین کا کوئی عمل دخل نہ ہو۔ مالی معاملات احکامِ دین کے دائرے سے باہر ہوں۔ ستر و حجاب کے احکامات پاؤں تلے روندیں جائیں۔ اور مرد و زن کی مساوات اور شانہ بشانہ کے موقع فراہم کرنا ہمارا مقصد بن جائے، عورت کے تقدس کو سرِ بازار نیلام کیا جائے، اور اسے اشتہار و تشہیر کا ذریعہ بنالیا جائے۔ تیسری قرآنی اصطلاح سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ دین کل کا کل اللہ عزوجل کے لئے ہو۔ عبادت وہی عبادت ہو گی جو پوری زندگی کو اپنی لپیٹ میں لے لے۔

غلبہء دینِ حق۔

یہ اس سلسلے کی چہارم اصطلاح ہے۔ جو کہ سورہء الصّف میں وارد ہوئی ہے۔ "وہی ہے اللہ کی ذات جس نے اپنے رسول کو الہدیٰ اور دینِ حق دے کر بھیجا تا کہ وہ غالب کر دے اس کو تمام جنسِ دین پر"۔ اس آیت کے الفاظ سورہ الفتح اور سورہ التوبہ میں بھی وارد ہوئے ہیں۔[xi]

مندرجہ بالا دینی فرائض کا تفصیل سے بیان کرنے کے بعد ڈاکٹر اسرار احمد دینی فرائض کو ادا کرنے کے لئے تین لوازم کو بطورِ تقاضا پیش کرتے ہیں۔

پہلا لازمہ جہاد۔

پہلا لازمہ جہاد مع النفس سے شروع ہو کر قتال فی سبیل اللہ کی چوٹی تک پہنچ جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے دین کو بالفعل غالب کرنے کے لئے اس مرحلے میں باطل کے علم برداروں کے ساتھ مسلح تصادم اور کشاکش ہوتا ہے۔ ہر باطل نظام کے رکھوالے اس نظام کے مراعات یافتہ ہوتے ہیں۔ یہی لوگ زمامِ حکومت کو قابو کئے ہوئے ہوتے ہیں۔ وہ اس بات کو کبھی بھی گوارہ نہیں کرتے کہ اس رائج الوقت نظام کو اسلامی نظام سے بدل دیا جائے۔ یہی بات وجہ تصادم بنتی ہے۔ تو جان لیجئے کہ قتال فی سبیل اللہ ہی جہاد کی چوٹی ہے۔ اور یہی اللہ عزوجل کی محبوبیّت کا مقام بھی ہے۔ جیسا کہ سورہ الصف میں وارد ہوا ہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ کو تو وہ بندے محبوب ہیں جو اس کی راہ میں جنگ کرتے ہیں اس طرح صفیں باندھ کر گویا کہ وہ سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہیں۔ حدیثِ نبوی ﷺ میں بھی جہاد و قتّال سے کنی کترانے پر وعید سنائی گئی ہے۔ بحوالہ مسلم حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ سے مروی ہے۔ جو شخص اس حال میں مرا کہ نہ اس نے اللہ کی راہ میں جنگ کی اور نہ ہی اس کے دل میں اس کی تمنّا پیدا ہوئی تو وہ ایک قسم کے نفاق پر مرا۔

دوسرا لازمہ التزامِ جماعت۔

ڈاکٹر اسرار احمد کہتے ہیں کہ دینی فرائض کی ادائیگی کے حوالے سے دوسرا تقاضا ایک اسلامی جماعت کا قیام اور اس کے ساتھ گہری وابستگی ہے۔ کیونکہ اقامتِ دین کا کام انفرادی سطح پر نہیں کیا جا سکتا ہے۔ حدیث میں آتا ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے التزام جماعت کا حکم دیا ہے۔ بحولہ مسندِ احمد حارث الاشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اے مسلمانوں میں تمہیں پانچ باتوں کا حکم دیتا ہوں اور اللہ تعالیٰ نے مجھے ان باتوں کا حکم دیا ہے۔ التزام جماعت کا، سننے اور ماننے کا، ہجرت کا، اور جہاد فی سبیل اللہ کا۔

تیسرا لازمہ۔ بیعت۔

ڈاکٹر اسرار احمد کہتے ہیں کہ دینی فرائض کے لوازم میں سے تیسر تقاضا یہ ہے کہ اس جماعت کا نظام بیعت پر قائم کیا جائے۔اس نظام بیعت کی اصل قرآن وسنّت میں موجود ہے۔اور سلف صالحین کے ہاں بھی بیعتِ ارشاد اور بیعتِ جہاد کے حولے بھی تاریخ میں موجود ہیں۔ماضی قریب میں برِصغیر پاک وہند میں جو تحریک سیّد احمد بریلوی شہیدؒ نے برپا کی تھی۔جس کو تحریک، شہیدین بھی کہا جاتا ہے۔اس تحریک کی بنیاد بیعتِ جہاد پر ہوئی تھی،اس تحریک کے مقاصد میں یہ بات شامل تھی کہ برصغیر پاک وہند میں خالصتاًاللہ تعالی کے دین کی سربلندی کے لئے جہاد و قتّال کیا گیا۔اور کتنے ہی مسلمان اس جہاد میں کام آئے۔اور جامِ شہادت نوش کیااور ربّ العزت کی بارگاہ میں سرخرو ہوئے ہوئے۔[xii]

منہجِ انقلابِ نبوی ڈاکٹر اسرار احمد کے مطابق۔

ڈاکٹر اسرار احمد کے گیارہ خطباتِ جمعہ کو شیخ جمیل الرحمان نے کتابی صورت میں مرتب کیا ہے، جسے مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور نے منہجِ انقلابِ نبوی ﷺ کے نام سے شائع کیا ہے۔اس کتاب میں فلسفہ ءانقلاب کے نقطہ ء نظر سے سیرت النبی ﷺ کا مطالعہ پیش کیا گیا ہے۔یہ کتاب اس لحاظ سے منفرد ہے کہ اس سے پہلے سیرت النبی ﷺ کا اس نقطہ ء نظر سے مطالعہ نہیں کیا گیا وراس لحاظ سے بھی اہم ہے کہ اس میں ڈاکٹر اسرار احمد اور دوسرے مسلم مفکرین جو پاکستان میں اسلامی نظام قائم کرنے کی کوشش میں ہیں چاہے انتخابی طریقہ ءکار سے یا عسکری جدوجہد سے ان کے فکر وفلسفہ اور طریقہ ءکار میں فرق کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔ڈاکٹر اسرار احمد منہجِ انقلابِ نبوی کے صفحہ ءنمبر 5 میں کہتے ہیں کہ جو انقلاب رسول اللہ ﷺ نے برپا کیا، وہ دنیا کے دوسرے انقلابات سے بنیادی طور پر مختلف ہے۔کیونکہ ان انقلابات کے لئے انقلابی نظریہ، فکر وفلسفہ انسانی طبع زاد تھے۔جیسا کہ اشتراکی انقلاب کا فلسفہ کارل مارکس کا تخلیق کردہ تھا۔انقلابِ فرانس کا فلسفہ والٹیر، روسو اور دیگر سیاسی مفکرین کے ذہنوں کی پیداوار تھا۔لیکن رسول اللہ ﷺ کا نظریہ، فکر وفلسفہ اللہ تعالی کی طرف سے وحی کی صورت آپ ﷺ کو عطا کیا گیا۔بنی کریم ﷺ نے اللہ تعالی کی طرف سے لوگوں کے سامنے نظریہ توحید پیش کیا۔اس نظریہ کی بنیادیں قرآنِ پاک پر رکھی گیئں۔یہی نظریہ نبی کریم ﷺ کی دعوت کا مرکز و محور ہے۔اس انقلابی نظریہ کی عملی تعبیر انسان کی سیرت وکردار کی تربیت وتعمیر ہے۔اس کے صحیح ادراک سے انسان کی اجتمائی زندگی میں تبدیلی وجود میں آتی ہے۔انسانی حاکمیت کی بجائے اللہ تعالی کی حاکمیتِ اعلیٰ کا اقرار، ملکیت کی بجائے امانت کا تصور اور معاشرے میں مکمل معاشرتی مساوات کا تصور، یہ نظریہ توحید کے ثمرات ہیں۔نبی کریم ﷺ کے لائے ہوئے انقلاب کے حق میں غیروں کی شہادت پیشِ خدمت کی گئی ہے۔عربی ضرب المثل ہے کہ الفضل ما شهدت به الاعداء۔اصل فضیلت وہ ہوتی ہے جس کا دشمن بھی اقرار کریں۔ڈاکٹر اسرار احمد اپنی کتاب، رسول انقلاب کا طریقہ ءانقلاب میں کہتے ہیں بنگالی ہندو، انٹرنیشنل کمیونسٹ آرگنائزیشن کے رکن ایم این رائے نے کہا"اس میں کوئی شک نہیں کہ تاریخِ انسانی کا عظیم ترین انقلاب محمد (ﷺ) نے برپا کیا۔[xiii]

ڈاکٹر اسرار احمد کے مطابق انقلاب چاہے کسی بھی نوع کا ہواس کو برپا کرنے کے لئے چھ مراحل طے کرنا لازمی ہیں۔یہ بات سیرت النبی ﷺ کے معروضی مطالعہ سے واضح ہو جاتی ہے۔[xiv]ڈاکٹر اسرار احمد کہتے ہیں کہ اگر انقلاب کامیاب ہو جائے تو پھر ساتواں مرحلہ بھی وجود میں آجاتا ہے۔چھ مراحل میں تو کسی بھی ملک میں انقلاب کی تکمیل ہوتی ہے۔لیکن ساتواں اس انقلاب کی توسیع و تصدیر پر مبنی ہوتا ہے۔ایک نظریاتی انقلاب جغرافیائی اور قومی حدود کا پابند نہیں ہوتا۔انقلابی نظریہ کو پاسپورٹ اور ویزہ کی حاجت نہیں کہ وہ ایک ملک سے دوسرے ملک کا سفر کرے۔انقلابی نظریہ کے پر بہت مضبوط ہوتے ہیں، جن سے وہ اڑ کر کہیں سے کہیں پہنچ جاتا ہے۔اب اگر اس نظریہ میں جان ہے تو دوسرے ممالک میں اپنی جڑیں گاڑھ دے گا، جس کے نتیجے میں انقلاب کی توسیع ہو گی۔انقلابِ فرانس، صرف اپنے ملکی حدود میں قید نہیں رہا۔اور اشتراکی انقلاب بھی صرف روس تک محدود نہیں رہا۔یہ انقلاب کی خصوصیت ہے کہ پہلے کسی ایک علاقے میں آتا ہے بھر وہاں اس کے اثرت کا ظہور ہوتا ہے'پھر اس کی بین الا قوامی سطح پر توسیع عمل پذیر ہوتی ہے۔[xv]

پہلا مرحلہ دعوت:

انقلابِ نبوی ﷺ کا اساسی نظریہ: توحید باری تعالیٰ۔

ڈاکٹر اسرار احمد کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کے انقلابی عمل کا پہلا مرحلہ نظریہ توحید کی دعوت تھی۔رسول اللہ ﷺ کو یہ انقلابی نظریہ، فکر وفلسفہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی کے ذریعے عطا ہوا۔اس کامل اور خالص ترین نظریہ توحید کی بنیاد قرآنِ حکیم ہے۔قرآن کے ذریعے یہ انقلابی نظریہ لوگوں کے سامنے پیش کیا گیا۔قرآن ہی انقلابی نظریہ کی بنیاد ہے۔نبی کریم ﷺ کی دعوت کا مرکز و محور اور منبع و سرچشمہ قرانِ مجید ہی ہے۔اس انقلابی نظریہ کے تین حصے ہیں'توحید، رسالت اور آخرت۔نظام کا تعلق نظریہ توحید پر ایمان

لانے سے ہے۔آخرت پر ایمان،انسان کی سیرت و کردار کی تعمیر کرتا ہے۔نماز،روزہ حج،زکوٰۃ دراصل تربیتی مراحل کی ریاضت ہے۔انسان کی سیرت و کردار کو اس خاص صورت میں ڈھالنا کہ اس صورت کے حامل کارکنوں کے ذریعے سے اسلامی انقلاب آ سکے۔دل میں چھپے ہوئے امراض کا علاج بھی قرآن ہی سے ہوتا ہے، جسے تزکیہ ٔ کہتے ہیں۔ایمان بالا آخرت انسان کو متحرک رکھتا ہے،ایمان بالا لرسالت کا تعلق قانون سے ہے۔رسول اللہ ﷺ کو دل وجان سے رسول اللہ ﷺ تسلیم کرنا،اور رسول اللہ ﷺ کی تمام دی گئی خبروں کی تصدیق ہی دراصل ایمان ہے۔حدیث نبوی ﷺ ہے کہ۔"لا یو من احدکم حتیٰ یکون ہو اہ تبعا لما جئت بہ۔تم میں سے کوئی شخص مؤمن نہیں ہو سکتا جب تک اس کی خواہش نفس اس ہدایت کے تابع نہ ہو جائے جو میں لے کر آیا ہوں۔[xvi]

دوسرا مرحلہ تنظیم:

ڈاکٹر اسرار احمد کہتے ہیں کہ انقلابی جدوجہد کے مراحل میں سے دوسرا مرحلہ انقلابی جماعت کی تنظیم کا ہے۔جو لوگ انقلابی دعوت کے نظریہ کو دل وجان سے تسلیم کر لیں،انہیں ایک جماعت میں پرو کر ایک تنظیم میں منظم کرنا۔اس کے لئے قرانی اصطلاحاتِ بنیان مرصوص،سیسہ پلائی ہوئی دیوار،وسمعو ا و اطیعو،سنو اور اطاعت کرو،اور اشداء علی لکفار ورحماء بینہم۔اپس میں شفیق اور کافرو پر سخت۔ہمارے سامنے آتی ہیں۔ڈاکٹر اسرار احمد کہتے ہیں کہ اس تنظیم کی بنیاد بیعت پر استوار کی جائے گی،کیونکہ جو لوگ بنی کریم ﷺ پر ایمان لائے نبی کریم ﷺ نے ان کو منظم کیا،ان کی تربیت کی،اور اس جماعت کو بیعت کی بنیاد پر قائم کیا۔نبی کریم ﷺ مندرجہ ذیل **الفاظ میں بیعت لیتے تھے**۔عن عبادہ بن الولید بن عبادہ عن ابیہ قال با یعنا رسول اللہ ﷺعلی السمع والطاعۃ فی العسر والیسر والمنشط والمکرہ وعلی أثرہ علینا وعلی ان لا تنازع الامر اہلہ وعلی ان نقول با لحق اینما کنا لا نخاف فی اللہ لو متہ لائم۔[xvii]**عبادہ بن الولید بن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ** اپنے والد سے روایت کرتے ہیں۔انہوں نے کہا کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ سے تنگی اور آسانی'خوشی اور ناخوشی ہر حالت میں حتیٰ کہ کسی کو اپنے اوپر ترجیح دینے کے باوجود سمع وطاعت کی بیعت کی کہ اہل حکم سے اختیارات کے معاملے میں نزاع نہ کریں گے'اور حق بات کہیں گے،جہاں بھی ہوں'اللہ کے معاملے میں کسی ملامت کرنے والے کی پروا نہیں کریں گے۔

مندرجہ بالا حدیث نبوی ﷺ کے حوالے سے ڈاکٹر اسرار احمد کہتے ہیں کہ ا" گر آپ واقعتا،انقلاب برپا کرنا چاہتے ہیں تو آپ کسی حکم کے بارے میں نہیں کہہ سکتے کہ اس کی تعمیل مشکل ہے یا میرے حالات تعمیلِ حکم کی اجازت نہیں دیتے یا یہ کہ میرا موڈ آف ہے۔یہی وجہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے بیعت فی العسر والیسر اور فی المنشط ولمکرہ کے الفاظ شامل کئے کہ آسانی ہو یا دشواری تنگی ہو یا سہولت،طبیعت آمادہ ہو یا نہ ہو'حکم بہر صورت بجالانا پڑے گا"۔[xviii]

ڈاکٹر اسرار کہتے ہیں کہ اب اطاعتِ امیر کی بیعت اطاعت فی المعروف کی شرط کے ساتھ ہوگی۔کہ اب رسول اللہ ﷺ کے بعد جس کی بھی بیعت ہوگی مطلق نہیں ہوگی۔[xix]

ڈاکٹر اسرار احمد کہتے ہیں کہ جب مقابلہ پیش آئے گا اور آپ موجودہ نظام کو ختم کرنے کے لئے میدان میں آئیں گے تو مراعات یافتہ طبقات جن کے اس نظام سے مفادات وابستہ ہیں،اس نظام کی پاسبانی کی خاطر آپ کو کچلنے اٹھ کھڑے ہوں گے۔۔۔۔تب آپ کو ان کے مقابل فوجی ڈسپلن کی ضرورت ہوگی۔محض ایک بھیڑ مقابلہ نہیں کر سکے گا بلکہ سمع وطاعت کے اصول کے تحت منظم ہونے والی مضبوط جماعت درکار ہوگی۔[xx]

تیسرا مرحلہ تربیت:

انقلابی تربیت کا نبوی منہاج۔

ڈاکٹر اسرار احمد کہتے ہیں کہ منہج انقلابِ نبوی کے مطابق تیسرا مرحلہ تربیت کا ہے بقولِ اکبر الٰہ آبادی۔

؎ تو خاک میں مل اور آگ میں جل جب خشت بنے تب کا چلے

ان خام دلوں کے عنصر پر بنیاد نہ رکھ تعمیر نہ کر۔[xxi]

اس مرحلے میں انقلابی تنظیم کے کارکنوں کے قلوب واذہان میں انقلابی نظریہ ہر وقت مستحضر ہونا چاہیئے۔اس لئے کہ اس نظریہ پر ہی تو ساری انقلابی جدوجہد کا مدار ہے اگر انقلابی نظریہ دلوں میں راسخ ہے تو عمل کا جذبہ بھی موجود رہے گا۔اگر انقلابی نظریہ مدھم ہوا تو جذبہ عمل بھی کم ہو جائے گا۔ڈاکٹر اسرار احمد کے نزدیک یہ تربیت موجودہ نظام کے خلاف لڑنے کی ہو نہ کہ محض کسی گوشے میں بٹھانے کی ہو۔کہ ایک شخص یا اشخاص کسی گوشے میں بیٹھ کر درود و وظائف کی تسبیحات پڑھتا رہے،اس کا انفرادی سطح پر فائدہ تو حاصل ہو سکتا ہے، کہ یہ چند اشخاص انفرادی زندگی میں نیکوکاری اختیار کرلیں۔لیکن یہ تو خالص خانقاہی تربیت ہے،انقلابی تربیت نہیں جو کہ تربیت نبوی ﷺ کا مقصد تھا۔انقلابی تربیت میں ان لوگوں کی ضرورت ہے جو کہ باطل کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اسے چیلنج کریں۔اس راستے میں ہر مشکل جھیل سکیں۔[xxii]

ڈاکٹر اسرار احمد کہتے ہیں کہ انقلابِ نبوی ﷺ کے مطابق انقلابی تربیت کے مرحلے میں چار اہداف ملتے ہیں۔

پہلا یہ کہ انقلابی نظریہ ہر وقت مستحضر رہے۔نبی کریم ﷺ کا ان انقلابی فکر و نظر کا سرچشمہ قرآن پاک ہے۔اس طریقہ پر آج بھی کوئی جماعت اٹھے تو اس کا سرچشمہ یہی قرآن ہے۔قرآن پاک کی تلاوت ہوتی رہے تاکہ دل ودماغ میں انقلابی فکر ترو تازہ رہے،اگر یہ فکر کمزور ہو گئی تو عمل بھی ختم ہو جائے گا۔دوسرے یہ کہ انقلابی تنظیم کے کارکنان کو سمع وطاعت کا عادی بنایا جائے۔جس میں امیر کا حکم سنیں اور اسے مانیں۔لیکن یہ بات سب جانتے ہیں کہ تسلیم کی خو ڈالنا کوئی آسان بات نہیں۔اس میں اپنی انا اور انانیت راستے میں آجاتی ہے۔تیسرے یہ کہ کارکنان اس بات کے لئے عملی طور پر تیار ہو جائیں کہ اپنا تن 'من 'دھن سب کچھ اس راہ میں قربان و نچھاور کردیں۔اس کے بغیر انقلاب نہیں آسکتا۔چوتھا یہ کہ انقلابی تنظیم کے کارکنان میں روحانی تربیت کا بھی اہتمام کیا جائے کہ یہ محض انقلاب نہ ہو بلکہ اسلامی انقلاب ہو۔جس کے لئے تیاری کی گئی ہو۔نبی کریم ﷺ نے جو انقلاب برپا کیا، تو نبی کریم ﷺ کے رفقاء کار کی صفات جو قرانِ پاک میں بیان کی گئی ہیں۔1۔کافروں کے لئے سخت اور اپس میں رحیم و شفیق۔2۔ذوق عبادت،شوق رکوع و سجود۔3۔جوش جہاد اور شہادت کی آرزو4۔راہ حق میں کلمہءِ حق کہنے میں ہر قسم کی ملامت سے بے پرواہ۔[xxiii]

چوتھا مرحلہ:

صبر محض۔ Passive Resistance

ڈاکٹر اسرار احمد کہتے ہیں،ایک انقلابی تحریک میں انقلاب برپا کرنے کے لئے چوتھا مرحلہ صبر محض کا آتا ہے۔لیکن اس مرحلے کا آغاز پہلے مرحلے کے ساتھ ہی ہو جاتا ہے۔صبر محض دراصل Passive Resistance ہے۔یہ کہ انقلابی تحریک کے کاکنان اپنے نظریہ پر کاربند رہیں۔لیکن تشدد و تعذیب کا جواب تشدد و تعذیب سے نہ دیں۔اس کی منطق یہ ہے کہ معاشرے میں اختلاف پیدا کرنے والے یہی انقلابی ہوتے ہیں۔ان کے انقلابی نظریہ سے پہلے لوگ آرام سے تھے۔امراء بھی اور غرباء بھی۔امراء عیاشی کر رہے تھے،اور غرباء بھی اپنے کام میں مصروف تھے۔غرباء اپنی قسمت پر راضی 'بقول کارل مارکس کہ عوام کے لئے مذہب افیون کا کام کرتا ہے۔عوام اپنے حال پر راضی ہوتے ہیں 'اور کسی بھی انقلاب کے لئے نہیں اٹھتے۔وہ نظام باطل کے خلاف بغاوت نہیں کرتے۔لیکن انقلابی لوگ موجودہ نظامِ باطل کے خلاف آواز بلند کرتے ہیں۔اس کی مثال ایسے ہے جیسے کہ ایک پرسکون تالاب ہو 'جس میں کوئی لہریں نہ ہوں اس میں کوئی شخص پتھر مار کر ارتعاش پیدا کردے۔کہ یہ نظام باطل ہے 'کہ یہ ایک استحصالی اور استبدالی نظام ہے۔اس نے انسانوں کے اندر امتیازات قائم کر دیئے ہیں۔داعیانِ انقلاب ہی ہوتے جو پہلا پتھر نظام باطل پر پھینکتے ہیں۔پھر معاشرے میں لہریں اٹھتی ہیں۔وہ اس انقلابی دعوت کا ایک فطری رد عمل ہوتی ہیں لیکن اس رد عمل کے درجات اور کیفیات مختلف ہوتی ہیں۔اس میں دو مقامات اہم ہوتے ہیں۔کہ جو شخص داعی انقلاب ہوتا ہے۔اس کی ایسی کردار کشی کی جاتی ہے کہ کہ اس کی شخصیت مجروح ہو جائے۔یا اس کی ہمت توڑ دی جائے،یا اس کی قوت ارادی ختم کر دی جائے۔اس لئے تشدد کا نشانہ اسی کو بنایا جاتا ہے۔شروع میں یہ ایذرسانی زبان سے دی جارہی ہوتی ہے۔کہ اس کا تو دماغ خراب ہے 'یہ پاگل ہے 'ہمارا نظام ٹھیک ہے۔ہمارے اباء واجداد کے وقت سے صدیوں سے یوں ہی چلا آرہا ہے،یہ کہتا ہے کہ یہ نظام غلط ہے نہیں بلکہ یہ خود غلط ہے۔یوں داعی کی حوصلہ شکنی کی جاتی ہے۔تاکہ اس کی ہمت جواب دے دے۔اور اس درخت کی جڑ ہی کٹ جائے،انقلاب جس کا برگ و بار بنتا۔لیکن اگر داعی استقامت سے مقابلہ کرتا رہا،اور اپنی کردار کشی کی کوششوں کو صبر سے جھیل لیا۔اور مخالفین نے یہ دیکھا کہ یہ دعوت پھیل رہی ہے۔لوگ اس کے گرد جمع ہو رہے ہیں۔تو پھر زبانی ایذارسانی سے بات آگے نکل جاتی ہے۔اب جسمانی تعذیب اور ایذارسانی کا مرحلہ دیکھنے کو ملتا ہے۔اب اس کا نشانہ صرف داعی کی ذات نہیں ہوتی بلکہ انقلابی تنظیم کے سب ہی کارکنان نشانے کی زد میں آتے ہیں۔خاص کر کمزور لوگ اس کا نشانہ بنتے ہیں۔اونچے خاندانوں کے نوجوان جو انقلابی نظریہ کو قبول کرتے ہیں،وہ بھی اس کا نشانہ بن جاتے

ہیں۔اب ان کو مارا بھی جاتاہے اور گھروں سے نکال باہر بھی کر دیا جاتا۔ان سے جیلیں بھری جاتی ہیں،وہ بعض اوقات گولیوں سے اڑادیئے جاتے ہیں۔اب یہ صبر محض ہی ہے کہ اس سارے تشدد کو بغیر کسی جوابی تشدد کے برداشت کیا جائے۔اس صبر محض کے مرحلے کی ایک حکمت یہ بھی ہے کہ ابتدا میں کچھ باہمت اور سلیم الطبع لوگ اس انقلابی نظریہ کو قبول کرتے ہیں،اگر وہ لوگ ہی پر تشدد ہو جائیں'اور تشدد کا جواب تشدد سے دینے لگیں'تو باطل نظام کے علمبرداروں کو اخلاقی اور قانونی جواز حاصل ہو جاتاہے کہ ان انقلابیوں کو کچل کر ختم کر دیا جائے۔جب تک انقلابیوں نے مزاحمت نہیں کی تھی،تو ان کے مخالفین کے پاس ان کو ختم کرنے کا جواز نہیں تھا۔اس کے باوجود اگر انقلابیوں پر تشدد روا رکھا جاتا ہے،تو یہ بلا جواز ہے۔اس کا نتیجہ یہ نکلتاہے کہ عامۃ الناس کی ہمدردیاں اس انقلابی جماعت کے ساتھ ہونا شروع ہو جاتی ہیں۔اس طرح انقلابیوں کو اپنی دعوت کی توسیع اور تنظیم کو مزید منظم کرنے کا وقت مل جاتاہے۔اور خاموش اکثریت کی ہمدردیاں بھی حاصل ہو جاتی ہیں صبر محض کا یہ مرحلہ نبی کریم ﷺ کی سیرت طیبہ میں مکی زندگی میں مسلسل بارہ سال تک رہا۔[xxiv] ڈاکٹر اسرار احمد کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کے مکی دور کے بارہ برس تک یہ حکم تھا کہ اپنے ہاتھ بندے رکھو۔صحابہء کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے دلوں میں جوش اور ولولہ پیدا ہو رہا تھا۔کہ کفار مکہ کی جابب سے رسول اللہ ﷺ اور مسلمانوں کے ساتھ ناروا سلوک کیا جار ہا تھا۔صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم چاہتے تھے کہ ہم اس باطل نظام کے خلاف اٹھ کھڑے ہوں۔اس سلسلے میں متعدد صحابہ کرم بار باآپ کی خدمت میں عرض کرتے کہ اب ہمیں قتال کی اجازت ملنی چاہیئے کہ جوابی کارروئیاں سر انجام دے سکیں۔ لیکن اس مرحلے پر حکم یہی تھا کہ اپنے ہاتھ روکے رکھو۔اپنے جوش اور جذبہء انتقام کو تھام کر رکھو۔ایک دن وہ وقت بھی آئیگا کہ تم کو یہ موقع ملے گا کہ اپنے غم ودکھ کا بدلہ لے سکوگے۔لیکن اس وقت انقلابی عمل کے متعلق حکمت یہی ہے کہ اپنے جوش کو قابو میں رکھا جائے اور ان مصائب پر صبر کیا جائے۔سیرت النبی ﷺ میں یہ ابتدائی مراحل کا دور تقریباساڑھے بارہ برس پر محیط تھا۔یہ دور انقلابِ نبوی ﷺ کا لازمی اور بنیادی لازمہ تھا۔اس دور میں دعوت و تبلیغِ اسلام کا فریضہ بھی سرانجام دیا جار ہا تھا ،اسلام قبول کرنے والوں کی تنظیم و تربیت بھی کی جارہی تھی۔تشدد کے جواب میں عدم تشدد اور صبر کرنے کی بہت ساری حکمتوں میں سے ایک حکمت یہ بھی تھی کہ اہل ایمان سمع طاعت کے خوگر ہو جائیں۔اس کے ساتھ ہی ایک حکم یہ بھی تھا کہ اپنے مؤقف سے دست بردار نہیں ہونا،یہ نہ ہو کہ تشدد سے تنگ آکر اپنے مؤقف کو خیر باد کہہ دیا جائے۔یہ دراصل تصادم کا پہلا مرحلہ تھا صبر محض۔[xxv]

پانچواں مرحلہ:

راست اقدام(Active Resistance.)

ڈاکٹر اسرار احمد کہتے ہیں کہ اسلامی انقلابی تحریک میں انقلاب کا پانچواں مرحلہ راست اقدام کا ہوتا ہے۔یہ وقت انتہائی نازک فیصلے کا وقت ہوتاہے اور یہی قیادت کی ذہانت اور اہلیت کے امتحان کا بھی وقت ہوتا ہے۔اقدام کے لئے مناسب وقت کا تعین بہت ضروری ہوتا ہے۔اگر ضروری تیاری کے بغیر راست اقدام اٹھالیا گیا تو نتیجہ تباہی اور اگر تیاری ہونے کے باوجود اقدام اٹھانے میں تاخیر ہوگئی یا قبل از وقت اقدام کر دیا گیا،تو نتیجہ ناکامی کے سوا کچھ نہیں۔راست اقدام اس وقت کیا جائے جب انقلابی جماعت کی قیادت کو یقین ہو جائے کہ جماعت کے کارکنان کی تعداد اس کام کو سرانجام دینے کے لئے کافی ہوگئی ہے'اور ان کے اندر سمع وطاعت کی صفت بھی تکمیل کو پہنچ گئی ہے۔نیز یہ کہ انقلابی جماعت کے متعلقین اپنی جان مال،سب کچھ اس راہ میں قربان کرنے کے لئے تیار ہو جائیں۔اس ضمن میں ڈاکٹر اسرار احمد سیرت النبی ﷺ کا حوالہ دیتے ہوئے منہجِ انقلابِ نبوی کے صفحہء نمبر 56 میں کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ربیع الاوّل سے لے کر رمضان 1 ہجری تک کوئی عسکری مہم مدینہ منورہ سے باہر نہیں بھیجی۔ان چھ مہینوں میں نبی کریم ﷺ نے مدینہ منورہ میں اپنی پوزیشن کو مستحکم کیا۔مہاجرین وانصار میں مواخات کرائی۔اور ان کو در حقیقت بنیان مرصوص بنا دیا۔اس کے بعد نبی کریم ﷺ نے راست اقدام کے مرحلے کی جانب اپنا رخ کیا۔نبی کریم ﷺ نے آٹھ عسکری مہمات مکہ کی جابب روانہ فرمائیں'جن میں سے چار میں نبی کریم ﷺ خود بھی شریک تھے۔جنہیں غزوات کہا جاتاہے۔یہ غزوات غزوہء بدر سے پہلے کی ہیں۔ابتدائی چھ ماہ کے بعد چار فوجی مہمات میں نبی کریم ﷺ بھی نکلے'جبکہ چار سرایہ ہیں۔ڈاکٹر اسرار احمد کہتے ہیں کہ ہمارے اکثر سیرت نگاروں اور مؤرخین دو یا تین صفحات میں نبی کریم ﷺ کی ان آٹھ عسکری مہمات کو احاطہء تحریر میں لے آئے،اور اس میں بھی بہت اجمال سے کام لیا۔حالاں کہ یہ نبی کریم ﷺ کی سیرتِ مبارکہ کا بہت ہی اہم اور نازک مرحلہ ہے جس میں نبی کریم ﷺ کی جانب سے اقدام اور پیش قدمی کی جارہی تھی۔صبر محض کا مرحلہ اب راست اقدام میں تبدیل ہو رہا تھا۔اس راست اقدام کی نوعیت یہ تھی کہ نبی کریم ﷺ نے اہلِ مکہ کے خلاف جو اقدام اٹھایا اس کے دو مقاصد پیش نظر تھے۔ایک یہ

کہ اہل مکہ کی معاشی ناکہ بندی اور دوسرے یہ کہ قریش کی سیاسی ناکہ بندی۔ان مقاصد کے حصول کے لئے چار سفر نبی کریم ﷺ نے خود فرمائے اور چار مہمات میں نبی کریم ﷺ خود شریک نہیں ہوئے،جو کہ سرایہ کہلاتی ہیں۔[xxvi]

چھٹا مرحلہ:

مسلح تصادم۔یوم الفرقان

ڈاکٹر اسرار احمد کہتے ہیں کہ راست اقدام آخر کار مسلح تصادم پر منتج ہو کر رہتا ہے۔سیرت النبی ﷺ میں یہ مرحلہ کب اور کیسے آیا اس کے متعلق ڈاکٹر اسرار احمد اپنی کتاب منہج انقلابِ نبوی کے صفحہ ءنمبر 65۔میں کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے ہجرتِ مدینہ منورہ کے بعد ابتدائی چھ ماہ مدینہ منورہ کے داخلی استحکام میں صرف کئے۔اور اس کے فورا بعد رمضان 1 ہجری میں عسکری مہمات بھیجنا شروع فرمائی۔جن میں غزوہ ذوالعشیر اور وادیءنخلہ کے واقعات بہت ہی اہم اور فیصلہ کن تھے۔یہ دونوں واقعات دراصل غزوہءبدر کا پیش خیمہ ثابت ہوئے۔غزوہ بدر سے نبی کریم ﷺ کی انقلابی جدوجہد کا اندرونِ عرب آخری مرحلہ مسلح تصادم کا شروع ہوتا ہے۔ڈاکٹر اسرار احمد کہتے ہیں کہ مسلح تصادم کے مرحلے میں اقدام نبی کریم ﷺ کی طرف سے شروع ہوتا ہے۔لیکن پہلی باقاعدہ جنگ غزوہءبدر ہے۔نبی کریم ﷺ باطل کو نیست و نابود کرنے کے لئے بھیجے گئے تھے۔نہ کہ باطل کو تسلیم کرنے کے لئے بھیجے گئے تھے۔حق کبھی بھی باطل کو تسلیم یا برداشت نہیں کر سکتا۔17 رمضان المبارک 2 ہجری میں باقاعدہ ایک دوسرے کے آمنے سامنے میدانِ بدر میں جنگ کی صورت میں انقلابِ نبوی ﷺ کے چھٹے اور آخری مرحلے مسلح تصادم کا آغاز اندرونِ عرب میں ہوا۔غزوہءبدر میں قریش کے سرداروں میں سے ابو لہب اور ابوسفیان کے علاوہ سبھی مارے گئے۔[xxvii]

ڈاکٹر اسرار احمد اپنی کتاب رسول انقلاب کا طریقہءانقلاب میں صفحہءنمبر 52۔میں کہتے ہیں غزوہ بدر سے نبی کریم ﷺ کی انقلابی جدوجہد کے مسلح تصادم کا آغاز ہوا۔یہ دراصل نبی کریم ﷺ کے انقلابی جدوجہد کا چھٹا اور آخری مرحلہ تھا۔یہ مرحلہ چھ سالوں میں طے کیا گیا۔اس مرحلے میں نبی کریم ﷺ اور قریش کے درمیان دو طرفہ جنگ تھی،اور اس دوران حق و باطل میں کئی معرکے ہوئے۔جنگ بدر میں قریش کے ستر بڑے سردار مارے گئے۔اور مسلمانوں کو بھی چودہ صحابہ کرم رضوان اللہ تعالی علیہم کی شہادت دیکھنی پڑی۔لیکن جنگ احد کا معاملہ اس کے برعکس ہو گیا۔جس میں ستر صحابہ کرام شہید ہوئے۔یہ جنگوں کا سلسلہ چلتا رہا تا آنکہ مکہ فتح ہو گیا۔نبی کریم ﷺ کی یہ جنگ قریشِ مکہ کے خلاف 17 رمضان المبارک 2 ہجری کو شروع ہوئی اور 10 رمضان المبارک 8 ہجری کو فتح ءمکہ پر ختم ہوئی۔اس عرصہ میں بہت اتار چڑھاؤ آئے۔صحابہ ءکرام کو مختلف غزوات اور جنگوں میں اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کرنا پڑا۔خود نبی کریم ﷺ غزوہءاحد میں مجروح ہوئے اور دندان مبارک شہید ہوئے۔نبی کریم ﷺ کے چہرہ انور پر تلوار کا وار پڑا،جو خود نبی کریم ﷺ پہنے ہوئے تھے اس کی دو کڑیاں چہرہ مبارک کے اندر چلی گئیں۔نبی کریم ﷺ کو لہولہان کر دیا گیا۔ایک صحابی نے اپنے دانتوں سے پکڑ کر اندر گھسی ہوئی دو کڑیوں کو نکالنا چاہا لیکن کڑیاں تو نہ نکلیں البتہ ان کے اپنے دانت نکل گئے،کسی طرح کڑیاں نکالیں گیئں تو نبی کریم ﷺ کے چہرہءانور سے اتنا خون بہا کہ وہ بے ہوش ہو کر گر گئے اور یہ افواہ مشہور ہو گئی کہ نبی کریم ﷺ شہید ہو گئے۔اس غزوہ میں ستر صحابہ کرام شہید ہو گئے۔جن میں حضرت حمزہ رضی اللہ تعالی بھی شامل تھے۔اس مسلح تصادم کے مرحلے کا اختتام فتح مکہ پر ہوا۔فتح مکہ پر اندرونِ عرب انقلاب کی تکمیل ہوئی۔[xxviii]

ساتواں مرحلہ:

انقلابِ نبوی ﷺ کی توسیع

ڈاکٹر اسرار احمد اپنی کتاب رسولِ انقلاب کا طریقہءانقلا بکے صفحہءنمبر 53۔54 میں انقلابِ نبوی ﷺ کی توسیع کے متعلق کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے صلح حدیبیہ سے پہلے بیرونِ عرب اسلام کی نشرواشاعت کے لئے کوئی کاوش نہیں کی۔نہ کوئی مبلغ کہیں بھیجا'نہ خط یا پیغام کسی سربراہِ حکومت کے نام ارسال فرمایا۔دعوت و تبلیغ کا سارا کام دس برس تک مکہ میں ہی سرانجام دیا۔اس کے بعد طائف کا سفر کیا۔انقلابی عمل ابتدا میں نہیں پھیلتا'انقلابی عمل ایک ہی جگہ اپنی جڑیں جما کر اوپر اٹھتا ہے'جیسے آم کی گٹھلی،سے پودہ بنتا ہے اور پھر تناور درخت بن جاتا ہے اور برگ و بار لاتا ہے۔اس کے برعکس مشنری یا تبلیغی کام خربوزے اور ککڑی کی بیل کی طرح زمین پر پھیل جاتا ہے۔رسول اللہ ﷺ کی جدوجہد

مشنری نہیں بلکہ انقلابی تھی۔ بنی کریم ﷺ کی زندگی کے ابتدائی دور میں قیصر و کسریٰ اور دوسرے حکمرانوں کو خطوط بھیج سکتے تھے کہ انہیں اسلام کی دعوت دیں۔ لیکن نبی کریم ﷺ نے ایسا نہیں کیا۔ بنی کریم ﷺ نے ہجرتِ مدینہ کے بعد عرب کے مختلف قبائل کے ساتھ معاہدے کئے۔ لیکن بیرونِ عرب کوئی وفد نہیں بھیجا۔ صلح حدیبیہ کے بعد نبی کریم ﷺ نے بیرونِ عرب وفود بھیجنے شروع کئے 'کیونکہ صلح حدیبیہ میں قریشِ مکہ نے نبی کریم ﷺ کو ایک مخالف قوت کے طور پر تسلیم کر لیا' اور جسے قرآن نے فتحِ مبین قرار دیا۔ تو نبی کریم ﷺ نے کسریٰ، ہرقل، مقوس، نجاشی اور دیگر رؤسائے عرب جو جزیرہ نمائے عرب کی سرحدوں پر آباد تھے 'اپنے دعوتی نامہ ہائے مبارک کچھ صحابہ کرام کے ہاتھ روانہ فرمائے۔ ان نامہ مبارک کے جواب میں مختلف ردعمل سامنے آئے۔ ملک غسان نے نبی کریم ﷺ کے سفیر حارث بن عمیر کو شہید کر دیا۔ نبی کریم ﷺ نے ان کے قصاص کے لئے ایک لشکر ترتیب دیا، اور غزوہ موتہ کا معرکہ ہوا، اسی سلسلے میں غزوہ تبوک کا معرکہ بھی ہوا۔ اس طرح رسول اللہ ﷺ کی زندگی مبارک ہی میں توسیع کے مرحلے کا بھی آغاز ہو گیا تھا۔ جس کو خلفاءِ راشدین نے آگے بڑھایا۔ xxix

حاصل کلام

ڈاکٹر اسرار احمد اپنی کتاب "منہجِ انقلابِ نبوی میں" کے صفحہ نمبر 148 میں کہتے ہیں کہ مسلح تصادم کے اعتبار سے دورِ نبویؐ اور موجودہ دور کے حالات میں دو اہم فرق واقع ہوئے ہیں۔ دورِ نبویؐ اور آج کے دور میں پہلا فرق یہ واقع ہوا ہے کہ نبی اکرم ﷺ کی بعثت ایک کافرانہ و مشرکانہ معاشرے میں ہوئی، جبکہ آج ہم ایک مسلمان معاشرے سے تعلق رکھتے ہیں۔ بہت سارے مسلمان ممالک دنیا میں موجود ہیں، جن میں بسنے والے بھی مسلمان اور حکمران بھی مسلمان اگرچہ ان کے درمیان اخلاق و کردار اور سیرت و دین پر عمل پیرا ہونے کے اعتبار سے بہت گہرا فرق موجود ہے۔ لیکن یہ بات بھی مسلم ہے، کہ سب کے سب قانونا مسلمان ہیں، اور انہیں کلمہ طیّبہ کی ڈھال حاصل ہے۔ حالاں کہ کہیں بھی اسلام کا نظام سیاسی، معاشی اور معاشرتی لحاظ سے اپنی اصلی صورت میں قائم نہیں ہے۔ اندریں حالات یہ بات واضح ہو جاتی ہے، کہ نبی کریمؐ کے دور اور آج کے دور میں ایک اہم فرق واقع ہو چکا ہے۔ دوسرا اہم فرق یہ ہے کہ نوعِ انسانی نے تمدّنی ارتقاء کے ضمن میں بہت سی منازل طے کر لی ہیں۔ اس اعتبار سے اب کسی بھی ملک میں حکومت کے پاس تمام وسائل اور قانون نافذ کرنے والے اداروں کی پوری طاقت موجود ہوتی ہے۔ جبکہ عوام بالکل ہی نہتے ہوتے ہیں۔ حکومت اور عوام کے درمیان قوّت اور طاقت کے اعتبار سے فرق و تفاوت بہت زیادہ ہو گیا ہے، اس لئے مسلح تصادم والا مرحلہ نظری و عملی اہر دو عتبارات سے ناممکن ہو جاتا ہے۔ متذکرہ بالا دونوں تبدیلیاں ایسی ہیں کہ ہمیں سوچنا ہو گا کہ اگر آج ہم اسلامی انقلاب لانے کا عزم کریں، تو ان تمام مراحل میں جن میں نبی کریمؐ کی جدّوجہد گزری کیا ہمیں بالکل وہی طریقہ اختیار کرنا ہو گا؟ یا یہ کہ ان اصولوں کو پیشِ نظر رکھ کر ہر ایک مرحلے پر ہم یہ دیکھیں گے کہ کس کس حوالے سے ہمارا لائحہ عمل مختلف اور جدا ہو گا؟

اسلامی انقلاب کے حوالے سے اس دور اور آج کے دور میں جو سب سے زیادہ فرق و تفاوت ہوا ہے، وہ آخری مراحل میں واقع ہوا ہے۔ اس لئے اس بحث میں اس کا ذکر ہی مقدّم رہے گا۔ اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ ایک اسلامی تحریک نے کسی مسلمان معاشرے میں ابتدائی تمام مراحل طے کر لئے ہیں، اس کی دعوت اس معاشرے میں نفوذ کر چکی ہے۔ پھر یہ کہ تنظیم کے کارکنان کی تربیت بھی ایسے خطوط پر ہو چکی ہے کہ ان کے کردار اور سیرت کے اعتبار سے ان پر بھرپور اعتماد کیا جا سکے۔ اب آتا ہے، آخری مرحلہ جو کہ ہو گا پر تصادم! مگر یہ فوری طور پر عمل میں لائی جانے کرنے والی بات نہیں، ابھی اس مرحلے کو صرف علمی طور پر سمجھنا ہو گا۔ ڈاکٹر اسرار احمد کہتے ہیں، موجودہ حالات میں ایک ہی راستہ قابل عمل ہے۔ وہ یہ ہے کہ ایک پرامن عوامی انقلابی تحریک برپا کی جائے جو نہ توڑ پھوڑ کرے اور نہ ہی سرکاری یا غیر سرکاری املاک کو نقصان پہنچائے۔ لیکن بات یہ ہو کہ یہ لوگ مکمل تربیت یافتہ ہوں اپنی جان دینے کو تیار ہوں۔ یہ ایک طرح کی یک طرفہ جنگ ہو گی۔ یہ لوگ سرکوں پر پرامن مظاہرے کریں گے جن کا مقصد ہو گا کہ منکرات کو ختم کیا جائے۔ ان لوگوں کا مقصد یہ ہو گا کہ حکومت منکرات کا انسداد کرے، ورنہ اس نظام باطل کو اب چلنے نہیں دیں گے۔ چاہے تم ہم پر گولی چلا دو۔ ڈاکٹر اسرار کہتے ہیں کہ ان کے خیال میں یہی ایک قابل عمل طریقہ ہے۔ کیونکہ کوئی بھی مسلح تحریک افواج کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ حافظ الاسد نے ایک ہی دن میں ہزاروں اخوان پر بمباری کر کے ان کو ختم کر دیا۔ ان کا مرکز ہی تباہ و برباد کر دیا تھا۔ تو یہ بات سمجھنا ہو گی کہ آج مقابلہ انتہائی غیر مساوی ہے۔ اگر کہیں ممکن ہو تو دو طرفہ جنگ بھی ہو سکتی ہے، یہ جائز ہے۔ لیکن موجودہ حالات میں عملا ممکن نہیں۔ آج کے مسلمان حکمرانوں کے خلاف یک طرفہ جنگ ہی ممکن ہے۔ حکومت کے خلاف جب تحریک چلے گی تو وہ اس انقلابی تحریک کو روکنے کے لئے بھرپور کوشش کرے گی۔ شروع میں حکومت کے کہنے پر مظاہرین پر گولیاں بھی چلائی جائیں گیں، لیکن تاریخ گواہ ہے کہ اس دوران ایک وقت ایسا بھی آتا ہے کہ فوج ہاتھ اٹھا دیتی ہے۔ کہ ہم اپنے ہی ہم وطنوں کو مزید تہے تیغ نہیں کر سکتے۔ یہ کوئی باہر سے آئی ہوئی قابض فوج نہیں۔ یہ ہماری قومی فوج ہے اور جو احتجاج کے لئے سامنے آ کھڑے ہوئے

ہیں،وہ بھی کوئی غیر نہیں وہ بھی مسلمان ہیں۔ڈاکٹر اسرار احمد کہتے ہیں کہ 1919ء میں جنرل ڈائر نے گولیاں برسا کر سینکڑوں افراد کا قتل عام کیا تھا،توان کو اس کا کیا دکھ؟ کیونکہ وہ انگریز تھا،اور مرنے والے ہندستانی، لیکن اپنی قوم پر گولیاں برسانا آسان کام نہیں۔لاہور میں بریگیڈیر محمد اشرف گوندل نے عوام پر گولی چلانے سے انکار کر دیا تھا۔اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیر عطافرمائے۔نیز ڈاکٹر اسرار احمد کہتے ہیں کہ دورِ حاضر میں ایرانیوں کی مثال ہمارے سامنے موجود ہے کہ انہوں نے اپنی جانیں دے کر انقلاب برپا کیا۔[xxx]

ماٰخذو حواشی۔

---

[i] ڈاکٹر اسرار احمد اور تنظیمِ اسلامی ایک تعارف،ڈاکٹر اسرار احمد۔ص 59،ناشر شعبہ مطبوعات،انجمنِ خدام القرآن سندھ کراچی۔طبع سوم،2012ء۔برِ عظیم پاک وہند میں اسلام کے فکر کی تجدید و تعمیل اور اس سے انحراف کی راہیں،ڈاکٹر اسرار احمد،صفحہ نمبر 30۔ناشر مکتبہ خدام القرآن،36۔کے 'ماڈل ٹاون،لاہور،1994

[ii] تاریخ دعوت وعزیمت،مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی،ص نمبر۔۔131۔130۔ناشر مجلس تحقیقات ونشریاتِ اسلام،2006ء۔،ماہنامہ میثاق بابت اشاعتِ خصوصی بر سانحہ ءارتحال بانیء تنظیمِ اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد،صفحہ ءنمبر 167۔168،مئی 2010۔

[iii] اسلام اور پاکستان تاریخی،سیاسی،علمی اور ثقافتی پس منظر،ڈاکٹر اسرار احمد ناشر تنظیمِ اسلامی مرکزی دفتر 67۔اے علامہ اقبال روڈ گڑھی شاہو،لاہور۔1989

[iv] استحکام پاکستان،ڈاکٹر اسرار احمد،ص 60۔62۔ناشر تنظیمِ اسلامی مرکزی دفتر اے۔67 علامہ اقبال روڈ گڑھی شاہو،لاہور۔1986ء۔

[v] ایضا،ص 63۔

[vi] ایضا،ص 64۔

[vii] ایضا،ص 67۔68۔

[viii] عظیم پاک وہند میں اسلام کے انقلابی فکر کی تجدید و تعمیل اور اس سے انحراف کی راہیں،ڈاکٹر اسرار احمد باب ول صفحہ ءنمبر 4۔21۔ناشر مکتبہ خدام القرآن لاہور 36 کے 'ماڈل ٹاون لاہور 1994ء۔

[ix] سلسلہ اشاعتِ تنظیمِ اسلامی نمبر 2۔، تنظیمِ اسلامی کا تاریخی پس منظر،ڈاکٹر اسرار احمد، صفحہ ءنمبر 21۔،ناشر تنظیمِ اسلامی مرکزی دفتر 67۔اے،علامہ اقبال روڈ گڑھی شاہو لاہور۔1991۔،ڈاکٹر اسرار احمد اور تنظیمِ اسلامی ایک تعارف،ص نمبر 58-65۔ناشر شعبہ مطبوعات،انجمن خدّام القرآن،سندھ کراچی،قرآن اکیڈمی یاسین آباد،شارع قرآن اکیڈمی،بلاک 9۔فیڈل۔بی۔ایریا،کراچی،مسلمانوں کے سیاسی افکار،پروفیسر خورشید احمد،صفحہ نمبر 220۔221،ادارہ ثقافت اسلامیہ 2 کلب روڈ لاھور،مطبع مکتبہ جدید پریس لاھور،1990،علامہ اقبال اور ہم،ڈاکٹر اسرار احمد،صفحہ ءنمبر 8،ناشر ناظم مکتبہ مرکزی انجمنِ خدام القرآن لاہور،طبع ششم،1997۔،موجِ کوثر،شیخ محمد اکرام،صفحہ نمبر 172۔174۔ناشر ڈاکٹر رشید احمد جالندھری ناظم ادارہ ثقافتِ اسلامیہ،مکتبہ جدید پرس،لاہور،2000ء

[x] ڈاکٹر اسرار احمد اور تنظیمِ اسلامی ایک تعارف،ص نمبر 65۔70۔ناشر شعبہ مطبوعات،انجمن خدّام القرآن،سندھ کراچی،قرآن اکیڈمی یاسین آباد،شارع قرآن اکیڈمی،بلاک 9۔فیڈل۔بی۔ایریا،کراچی

[xi] ایضا،صفحہ ءنمبر 215-220۔اور صفحہ ءنمبر 65۔68۔

[xii] ایضا،صفحہ ءنمبر 221-230۔

[xiii] منہجِ انقلابِ نبوی،ڈاکٹر اسرار احمد، صفحہ نمبر 5۔12۔ناشر ناظم مکتبہ مرکزی انجمنِ خدام القرآن لاہور،199۔،رسول انقلاب ﷺ کا طریقہ ءانقلاب،ڈاکٹر اسرار احمد،ص نمبر 10،۔18۔36 مکتبہ خدام القرآن لاہور۔36۔کے ماڈل ٹاون۔لاہور۔، خلافت کی حقیقت اور عصر حاضر میں اس کا نظام،ڈاکٹر اسرار احمد،ص نمبر 182۔ناشر مکتبہ خدام القرآن لاہور

[xiv] منہجِ انقلابِ نبوی،ڈاکٹر اسرار احمد، صفحہ نمبر 7۔ناشر ناظم مکتبہ مرکزی انجمنِ خدام القرآن لاہور،199۔

[xv] ایضا،صفحہ ءنمبر 10۔

[xvi] ایضا،صفحہ نمبر 12۔13

[xvii] مسلم بن الحجاج، ،ابو الحسین عساکر، صحیح مسلم کتاب الامارہ۔حدیث نمبر 826۔ رسول انقلاب ﷺ کا طریقہ ءانقلاب،ڈاکٹر اسرار احمد،ص نمبر 34 مکتبہ خدام القرآن لاہور۔36۔کے ماڈل ٹاون ۔لاہور۔ منہجِ انقلابِ نبوی،ڈاکٹر اسرار احمد،صفحہ ءنمبر 17۔18 ناشر ناظم مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور،1999۔

[xviii] خطباتِ خلافت،ڈاکٹر اسرار احمد،صفحہ ءنمبر 185۔ناشر انجمن خدام القرآن لاہور۔36۔کے ماڈل ٹاؤن،لاہور۔1997ء۔

[xix] ایضا،صفحہ نمبر 188

[xx] رسول انقلاب ﷺ کا طریقہ ءانقلاب، ڈاکٹر اسرار احمد، ص نمبر 19۔29 مکتبہ خدام القرآن لاہور۔36۔ کے ماڈل ٹاون۔لاہور۔

[xxi] منہج انقلابِ نبوی، ڈاکٹر اسرار احمد، صفحہ ءنمبر 23۔ ناشر ناظم مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور، 1999۔

[xxii] رسول انقلاب ﷺ کا طریقہ ءانقلاب، ڈاکٹر اسرار احمد، ص نمبر 19۔20 مکتبہ خدام القرآن لاہور۔36۔ کے ماڈل ٹاون۔لاہور۔

منہج انقلابِ نبوی، ڈاکٹر اسرار احمد، صفحہ ءنمبر 23۔25 ناشر ناظم مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور، 1999۔

[xxiii] الفتح 29:48۔ منہج انقلابِ نبوی، ڈاکٹر اسرار احمد، صفحہ ءنمبر 27۔30۔ ناشر ناظم مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور، 1999

[xxiv] رسول انقلاب ﷺ کا طریقہ ءانقلاب، ڈاکٹر اسرار احمد، ص نمبر۔20۔23 مکتبہ خدام القرآن لاہور۔36۔ کے ماڈل ٹاون۔لاہور۔

[xxv] ایضا، صفحہ ءنمبر 44۔45۔

[xxvi] منہج انقلابِ نبوی، ڈاکٹر اسرار احمد، صفحہ ءنمبر 56۔57۔ ناشر ناظم مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور، 1999۔

[xxvii] ایضا، صفحہ ءنمبر 65۔71۔

[xxviii] رسول انقلاب ﷺ کا طریقہ ءانقلاب، ڈاکٹر اسرار احمد، ص نمبر 52۔53۔ مکتبہ خدام القرآن لاہور۔36۔ کے ماڈل ٹاون۔لاہور۔

[xxix] ایضا، صفحہ نمبر 53۔54۔

[xxx] منہج انقلابِ نبوی، ڈاکٹر اسرار احمد، صفحہ ءنمبر 148۔167۔ ناشر ناظم مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور، 1999۔